ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۷۰
جلد: ۳۲ ، شمارہ: ۱۰

ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ = اکتوبر ۲۰۱۴ء

بدل اشتراک
- ہندوستان: 150 روپئے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپئے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں
Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۴-بلد حرام کے فضائل اور.....	محمد اسلم مبارک پوری	۸
۵-امام دارالہجرۃ مالک بن انسؒ ..	مولانا محمد ایوب سلفی	۱۵
۶-تحفظ عصمت کے اہم ذرائع	عبدالرحیم بن محمد یونس	۲۵
۷-نماز باجماعت کے فوائد	محبوب عالم سمیع اللہ مدنی	۳۱
۸-گناہوں کی خطرناکی	عبدالغفار سلفی	۳۴
۹-موت کی ہولناکیاں	ابوالبیان رفعت سلفی	۳۷
۱۰-حلقہ بنا کر ذکر کرنا ممنوع.....	ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی	۴۲
۱۱-اخبار جامعہ	دفتر نظامت	۴۴
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۳-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۶

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

یوم آخرت یعنی قیامت اور قرآن مجید

اللہ انسانی جسم کو دوبارہ زندہ کرے گا

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاء إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلاً ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّى وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئاً وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاء اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ، ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَى وَأَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ﴾ (سورہ حج:۵-۷)

اے لوگو! اگر تم کو (مرنے کے بعد دوبارہ) جی اٹھنے میں شک ہے تو (غور کرو) ہم نے ہی تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے، پھر خون کا لوتھڑا بنا کر، پھر گوشت بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص تا کہ تم پر (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک رحم مادر میں رکھتے ہیں، پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں، پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو، اور تم میں بعض وفات پا جاتے ہیں اور بعض ارذل عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتے ہیں۔ اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک ہے پس جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو شاداب ہو جاتی ہے اور ابھرنے لگتی اور طرح طرح کے بارونق چیزیں اگاتی ہے۔ یہ سب اس لیے ہوتا کہ اللہ (کا وجود) برحق ہے اور یہ کہ وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور (جان لو) کہ قیامت آنے والی ہے، اس میں کچھ شک نہیں ہے اور یہ (بھی جان لو) کہ اللہ سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا۔

انسان اپنی خلقت پر غور کرے کہ وہ کیسے پیدا ہوا اور اپنی زندگی میں کن حالات سے گذرتا ہے، اور جہاں سے روزی ملتی ہے اس زمین پر غلہ کیسے نکلتا ہے، جو زمین خشک ہوتی ہے اس پر اللہ پانی برسا کر ہماری خوراک کس طرح فراہم کرتا ہے۔

یہ سب قرآن مجید کا بیان ہے جس پر اگر ہم غور کریں تو یوم آخرت پر ہم کو یقین کرنا پڑے گا۔ قرآن مجید میں مختلف پرانے واقعات، حادثات اور اللہ کی بیان کی ہوئی نشانیوں سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر ہم نے قیامت پر یقین رکھتے ہوئے اس کے لیے تیاری نہ کی تو ہم خود خسارہ میں رہیں گے۔ اس دار فانی اور دنیاوی زندگی کے لیے ہم کیا کچھ نہیں کرتے، اپنا گھر بناتے ہیں، ہر طرح کی آسائش کی چیزیں حاصل کرتے ہیں، مگر اس آرام گاہ کو بہتر بنانے کے لیے ہماری کیا کوشش اور تیاری ہے جہاں سے دوسری زندگی کی شروعات ہوتی ہے اور جس کا ہم کئی بار مشاہدہ بھی کرتے ہیں، قبرستان جا کر اپنے ہاتھوں سے قبر پر مٹی ڈالتے ہیں، فاتحہ پڑھنے جاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ایک دن ہم کو بھی اپنے اس آخری مقر پر جانا ہے، اس گھر کو بہتر بنانے کی فکر ہونی چاہیے۔ یہ قبر کسی کے لیے جہنم کا ٹکڑا ہوگا تو کسی کے لیے اس کے اعمال اور تیاری کے مطابق جنت نما ہوگی۔ قرآن مجید ہم کو اسی ابدی زندگی کی بہتری اور اس کو اپنے لیے بہتر سے بہتر بنانے کی نصیحت کرتا ہے اور ہم کو اس پر یقین کرنے کے لیے مثالوں سے سمجھاتا ہے۔ کاش ہم چوکنا ہو جائیں اور صحیح راستہ اختیار کر لیں۔☆ (جاری)

درس حدیث

قیام اللیل کی اہمیت

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمِ وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ. (صحیح مسلم، ح:۱۱۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: رمضان کے بعد سب سے افضل، اللہ کا مہینہ، محرم کا روزہ ہے اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل، رات کی نماز ہے۔

امت محمدیہ پر اللہ کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اس نے اس امت کو اپنے سب سے محبوب نبی، سب سے مکمل دین اور سب سے جامع شریعت سے نوازا۔ اس امت پر سب سے زیادہ فضل وکرم کرتے ہوئے ایک طرف تمام مسائل واحکام میں یسر ورفق کو ترجیح دی تو دوسری طرف اجر وثواب میں اضافہ اور درجات کی بلندی کی خاطر نوافل کو مشروع کر دیا۔ نفل نماز، نفلی روزہ، نفلی حج، عام صدقات وخیرات، تلاوت قرآن، ذکر واذکار اور خدمت خلق کی صورت میں بے شمار نیکیوں کی راہوں کو کھول دیا، تاکہ یہ امت اجر وثواب کے اعتبار سے بھی تمام سابقہ امتوں پر سبقت لے جائے۔ نفلی نمازیں اور ان کا اجر وثواب قرآنی آیات اور احادیث میں بکثرت بیان کئے گئے ہیں۔ سنن رواتب کے علاوہ، قبل عصر وقبل مغرب کی سنتیں، اشراق، چاشت اور اوابین کی نماز، صلاۃ التسبیح، سنت وضوء، تحیۃ المسجد کے فضائل کو اگر جمع کیا جائے تو اجر وثواب کی ایک فہرست بن جائے گی اور ان نوافل کے علاوہ جس نفلی نماز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب بھی ہے وہ قیام اللیل، تراویح یا تہجد کی نماز ہے جو عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک ادا کی جاسکتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اپنے خاص بندوں کے اہم ترین اوصاف میں اس بات کو ذکر فرمایا ہے کہ ان کی راتیں رب کے حضور قیام وقعود اور رکوع وسجود میں گذرتی ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے صراحت کے ساتھ اس بات کو بیان فرمادیا کہ فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ شاید اس کو یہ فضیلت اس لیے حاصل ہے کہ یہ اللہ کو فرض نمازوں کے بعد سب سے زیادہ محبوب ہے۔ کتب حدیث کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ نماز اپنی طبیعت اور ظروف کے اعتبار سے رات کے ہر حصہ میں مختلف کیفیت اور رکعات کے ساتھ ادا فرمائی ہے، کبھی آپ نے مع وتر ۱۱ رکعت ادا فرمائی تو کبھی نماز وتر کے بعد بھی دو رکعت نماز ادا کی۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ رات کی آخری نماز وتر ادا کی جائے تو ایک حدیث میں ایک رات میں دو وتر کی نماز ادا کرنے سے منع فرمادیا اور وتر کی نماز کے بارے میں بھی آپ سے کئی سنتیں، طریقے اور تعداد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ وتر کی نماز ادا کرنے کے بعد بھی اگر کوئی کبھی نفل پڑھنا چاہے تو کوئی مانع نہیں، اسے دوبارہ وتر کی نماز ادا کرنے کی ضرورت نہیں، رمضان اور غیر رمضان میں

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

افتتاحیہ

مسلم معاشرہ کا ایک حساس مسئلہ

مولانا عبدالمتین مدنی

اسلام میں معاشرہ سازی کی بڑی اہمیت ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر نکاح کی ترغیب دی گئی اور اسے انبیاء کی سنت قرار دیا گیا، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿ولقد أرسلنا رسلا من قبلك وجعلنا لهم أزواجا وذرية﴾ (رعد:۳۸) اور ہم نے آپ سے پہلے بھی پیغمبر بھیجے اور انہیں بیویوں اور اولاد سے نوازا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "أربع من سنن المرسلين الحياء والتعطر والسواك والنكاح" (سنن الترمذی ح ۱۰۸۰، ابواب النکاح، باب ماجاء فی فضل التزویج والحث علیہ) چار چیزیں انبیاء کرام کی سنت ہیں: حیاء، مسواک، خوشبو اور نکاح۔

قرآن کی متعدد آیات میں نکاح کو اللہ کی نعمت اور اس کی نشانی بتلایا گیا ہے: ﴿ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة﴾ (روم:۲۱) اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی۔ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿والله جعل لكم من أنفسكم أزواجا وجعل لكم من أزواجكم بنين وحفدة﴾ (نحل:۷۲) اللہ نے تمہارے لیے تم میں سے ہی تمہاری بیویاں پیدا کیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کئے۔

اسی طرح اس سنت سے اعراض کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی اور ان کے بارے میں یہ خبر دی گئی کہ وہ نبی کے طریقہ پر چلنے والے نہیں ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ تین صحابی ازواج مطہرات کے پاس اللہ کے رسول ﷺ کی عبادت کو معلوم کرنے کے لیے آئے اور اس کے بعد ان میں سے ایک نے کہا کہ کثرت سے عبادت کرنے کے لیے أنا أعتزل النساء فلا أتزوج أبدا میں بیویوں سے کنارہ کش رہوں گا کبھی شادی ہی نہیں کروں گا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے اس پر اپنی ناراضگی جتلائی اور فرمایا نے تو نکاح بھی کیا ہے۔ فمن رغب عن سنتي فليس مني۔ (بخاری:۵۰۶۳، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح) جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔

قرآن کریم میں اولیاء امور کو اس بات کی تاکید کی گئی کہ وہ اپنے زیر کفالت لڑکے لڑکیوں کو رشتہ ازدواج سے منسلک کردیں اور یہ بشارت دی گئی کہ اللہ تعالی اس کے ذریعہ ان کی معاشی حالت کو سدھار دے گا۔ ﴿وأنكحوا الأيامى منكم والصالحين من عبادكم وإمائكم أن يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله﴾ (نور:۳۲) اور تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح ہوں، ان کا نکاح کردو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی بنادے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ایک حدیث میں یہ بات بیان فرمائی ہے: "ثلاثة حق على الله عونهم"

تین قسم کے لوگوں کی مدد کرنا اللہ پر واجب ہے "الناكح الذي يريد العفاف" (ترمذی:۱۶۵۵، باب ما جاء فی المجاهد والناکح والمکاتب وعون الله إیاهم) (ان میں سے ایک) وہ شخص جو عصمت وعفت کی حفاظت کرنے کے لیے نکاح کرتا ہے۔

اولیاء امور کو نکاح کی تاکید احادیث میں بھی کی گئی ہے: "إذا جاء كم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه الا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد ......" (ترمذی:۲۰۵/۴، ح:۱۰۸۵، ابواب النکاح) جب تمہارے پاس کوئی ایسا رشتہ آئے جس کے دینداری اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے نکاح کردو، اگر ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔

ایک حدیث میں بلا وجہ شادی موخر نہ کرنے کا حکم دیا گیا: "ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا آنت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفوا" (ترمذی: أبواب الصلاۃ) تین چیزیں موخر نہ کی جائیں نماز جب اس کا وقت ہوجائے، جنازہ جب آجائے اور دوشیزہ جب اس کا مناسب رشتہ پایا جائے۔

اولیاء امور کے علاوہ نکاح کی اہلیت رکھنے والے لوگوں کو براہ راست مخاطب کرکے امر کے صیغہ کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دیا گیا: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث ورباع فان خفتم ألا تعدلوا فواحدة﴾ (نساء:۳) پس تم عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو، دودو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمہیں برابری نہ کرسکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے۔

اور اللہ کے رسول ﷺ نے درج ذیل حدیث میں نہ صرف اس کا حکم دیا بلکہ اس کے دو اہم ترین فائدوں کو بھی بیان فرمادیا:

"يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فانه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء" (بخاری: کتاب النکاح:۵۰۶۶)

اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ نکاح کرلے، پس بیشک وہ نگاہ کو زیادہ پست رکھنے والا اور عصمت کی زیادہ حفاظت کرنے والا ہے اور جو اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے۔ پس بیشک روزہ اس کی شہوت کو قابو میں رکھنے والا ہے۔

پہلی نظر کی پاکیزگی اور دوسری عصمت کی حفاظت اور یہ دونوں ایک مسلمان کے لیے بہت ضروری ہے، اسی لیے قرآن کریم میں دونوں کو الگ الگ اس بات کا حکم دیا گیا۔ اس سے اس حکم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

نظر کی حفاظت کے سلسلہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "لا تتبع النظرة النظرة فإن لك الأولى وليست لك الآخرة" (سنن ابوداود:۲۱۴۹، ترمذی:۲۷۷۷، باب ما جاء فی نظرۃ الفجاءۃ، باب فی مایؤمر بہ من غض البصر)

کسی نامحرم کی طرف دوبارہ نظر مت اٹھاؤ۔ پہلی (اتفاقیہ) نظر پر تمہارا مواخذہ نہیں، لیکن دوبارہ دیکھنے پر تمہارا مواخذہ ہوجائے گا۔

اگر ایک مسلمان نامحرم اور گناہ کی چیزوں سے اپنی نظر پست رکھے گا تو اللہ اس کے دل میں ایک لذت پیدا کردے گا جو

حرام نظر کی لذت سے اسے بے نیاز کردے گی۔

عصمت وعفت گراں قدر اخلاقی زیور ہے جس کی حفاظت کا حکم دیا گیا اور اہل ایمان کی شان بتلائی گئی: ﴿والذین هم لفروجهم حافظون الا علی أزواجهم﴾ (مومنون: ۵-۶) اور وہ لوگ جو اپنی عصمت کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے ساتھ۔

دوسری آیت کریمہ میں فرمایا گیا: ﴿والحافظین فروجهم والحافظات﴾ (احزاب: ۳۵) اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد وعورت۔

اللہ کے رسول ﷺ نے صحیح حدیث میں عصمت کی حفاظت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی ہے۔

ان نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے عصمت وعفت کی حفاظت کرنا اور اس کو ہر قسم کی تہمت اور خطروں کے مواقع سے بچا کر رکھنا کتنا ضروری ہے۔

لیکن موجودہ دور میں مسلم نوجوانوں کے لیے یہ مشکل ترین اور صبر آزما امر بن کر رہ گیا ہے۔ خاص طور سے وہ نوجوان جو ایسے تعلیمی اداروں میں ہیں جہاں مخلوط تعلیم کا انتظام ہے۔ یا ایسی ملازمتیں جہاں اختلاط سے ان کا سابقہ ہے۔ یہ کام ان کے لیے کیونکر آسان ہوسکتا ہے۔ خاص طور سے بے حیائی، فحاشی اور بے لباسی کے اس ماحول میں، جس میں عصمت وعفت کی حفاظت کو قدامت پرستی، تخلف اور غلام ذہنیت کی علامت سمجھا جاتا ہو۔

کیا عصمت وعفت کے تحفظ کی خاطر مسلم نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو اعلی تعلیم سے محروم رکھا جائے یا معاشی ضرورت کے باوجود ملازمتوں کے دروازے ان کے لیے بند کردیئے جائیں، اگر ملت اسلامیہ اس کا کوئی متبادل پیش نہیں کرتی تو یہ فیصلہ لینا بڑا دشوار ہوگا۔

اب ایسے پرخطر ماحول میں سب سے پہلے ان کے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف پیدا کرنا ہوگا، نیز عصمت وعفت کی اہمیت کو ان کے دل ودماغ میں بیٹھا دینا ہوگا کہ وہ کسی بھی قیمت پر اس کا سودا نہ کریں اور اس کے ساتھ ساتھ حدیث میں اس کا جو شرعی حل بتلایا گیا اس کی بھی ترغیب دینی ہوگی اور اس عمل کو ہر اعتبار سے آسان بنانا ہوگا تاکہ اس کے اختیار کرنے میں سماج اور معاشرہ کے بے جا رسم ورواج رکاوٹ نہ بن جائیں یعنی اگر وہ نکاح کی عمر کو پہنچے اور اگر اس میں کسی جائز وجہ سے تاخیر ہو رہی ہو تو روزہ رکھنا تاکہ یہ روزہ شہوت کو قابو میں رکھنے کے لیے مددگار ثابت ہو، نیز روزہ کی حالت میں اللہ کی نگرانی کا احساس بھی تازہ رہے۔

حد درجہ افسوس کی بات یہ ہے کہ نکاح جیسے عظیم الشان امر کو آج مشکل ترین بنا دیا گیا۔ معاشرہ کے رسم ورواج، حد درجہ اسراف، اہل ثروت کی خودنمائی اور چونچلا پن، متوسط اور کمزور طبقہ پر سماج کے دباؤ نے گویا اس کی آسانی اور برکت کو ہی اٹھا دیا۔

کتنے نوجوان مرد وزن ایسے ہیں جو شادی کی عمر کو پہنچنے اور اس کی اہلیت رکھنے کے باوجود سہولتوں کے انتظار میں دن اور رات کاٹتے ہیں، ایک طرف تو ان کا شباب کیف بے شبابی میں گذرتا ہے تو دوسری طرف عصمت وعفت کے لٹیرے ان

کے اردگرد خطرہ بن کر منڈلاتے رہتے ہیں۔اس مشکل ترین صورتحال سے لڑکے اور لڑکیاں دونوں دوچار ہیں۔

آخر ان کے آنگن میں شہنائی کب بجے گی، ان کے ارمان کب پورے ہوں گے، ان کے خوابوں میں تعبیر کا رنگ کب بھرے گا اور وہ صبح کب طلوع ہوگی جو ان کے لیے نوید مسرت لے کر آئے گی۔

اور اگر ابتلاء وآزمائش کے اس مرحلہ میں کوئی اپنا صبر کھودے، شیطان کے بہکاوے میں آجائے، عصمت کی چادر تار تار ہوجائے تو اس گناہ کا ذمہ دار کس قدر وہ خود ہوگا اور کس قدر وہ معاشرہ جس نے ایسا ماحول بنادیا، جس کی وجہ سے شادی کا بابرکت اور آسان عمل بھی مشکل ترین بن گیا۔اگر کوئی اس کے لیے معاشرہ کو موردالزام اور قصوروار قرار نہ دے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بات حقیقت پر مبنی نہیں ہوگی۔

اس لیے میں ان سطور کے ذریعہ معاشرہ کے ذمہ داروں سے دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ خدارا عصمت وعفت کی حفاظت کے لیے نکاح کے پورے عمل کو آسان بنائیں اور عملی طور پر پہل آپ کریں تاکہ معاشرہ کے متوسط اور کمزور طبقہ کے لوگوں کو حوصلہ ملے اور رسم ورواج کا جو بوجھ وہ اپنے اوپر محسوس کرتے ہیں اس سے اپنے آپ کو آزاد سمجھیں اور اپنی حیثیت کے مطابق پوری آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس بابرکت فریضہ کو انجام دیں۔

ملک کے اطراف واکناف میں کتنے ایسے غیر مسلم ادارے قائم ہیں جو اجتماعی شادیوں کا اہتمام کتنے خوش اسلوبی سے کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ وہ سماج کے تئیں ایک بڑی ذمہ داری کو ادا کرتے ہیں، بعض عرب ممالک میں انفرادی اور حکومتی سطح پر شادی کے لیے مالی تعاون دیا جاتا ہے، لیکن وطن عزیز خصوصا شمال میں میرے علم کے مطابق کوئی ایسا ادارہ نہیں جو اس فریضہ کو بہتر طریقہ سے انجام دے۔ہاں انفرادی کوششیں ہیں لیکن وہ بہت ناکافی۔صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف اشرفیوں کی لوٹ ہے تو دوسری طرف قرض کا بوجھ۔کاش کہ اہل ثروت اپنی شادیوں کے اخراجات سے عشر عشیر سے کوئی ایسا فنڈ بناتے جس سے کسی کے چہرہ پر سہرہ باندھا جاتا تو کسی کے ہاتھ میں مہندی رچی جاتی۔یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس دور میں عصمت وعفت کی پامالی کے خطرہ سے لڑکے اور لڑکیاں دونوں یکساں طور پر دوچار ہیں۔اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے شادی کے پورے عمل کو آسان بنانا ہوگا۔

اگر کسی لڑکے کی شادی میں تاخیر کا سبب مناسب رہائش کا نہ ملنا ہو تو ایسے ادارے بنائے جائیں جو ہاؤسنگ اسکیم کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کریں۔

اور اگر ذریعہ معاش رکاوٹ بنے تو روزگار کے مواقع اور معاش کے ذرائع فراہم کئے جائیں۔

مزید یہ کہ ایسا ماحول بنادیا جائے کہ شادی کے زیادہ تر اخراجات لڑکے والوں کے ذمہ ہوں تاکہ کوئی لڑکی اپنے گھر والوں پر بوجھ نہ بنے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر صدق دل کے ساتھ ان تجاویز پر عمل کیا جائے گا تو مسلم نوجوان بڑی حد تک پاکیزہ ازدواجی زندگی کا لطف لیں گے اور معاشرہ محبت وعشق کے نام پر قائم ہونے والے ناجائز رشتوں سے محفوظ رہے گا۔ ☆☆

حرمین شریفین

بلدِ حرام کے فضائل اوراس کے بعض احکام

محمد اسلم مبارک پوری

۱-بلدحرام کی حرمت:

بیشک اللہ تعالی نے اس سرزمین کوحرمت کے لیے منتخب کیا ہے۔اور زمین وآسمان کی تخلیق کے وقت ہی سے اسے حرمت والاقرار دیا ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿إنما أمرت أن أعبد رب هذه البلدة الذي حرّمها، وله كل شيء وأمرت أن أكون من المسلمين﴾ (النمل:۹۱)(ترجمہ) مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر مکہ کے رب کی عبادت کرتا رہوں،جس نے اسے حرمت والا بنادیا ہے، ہر چیز جس کی ملکیت ہے،اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں بردار مسلمان بن کر رہوں۔

بلدحرام کی حرمت پر نبی ﷺ کی احادیث بھی رہنمائی کرتی ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا ہے: بیشک اللہ تعالی نے اس شہر کوحرمت والا قرار دیا ہے،جس روز سے زمین وآسمان کی تخلیق کی ہے۔لہذا یہ شہر قیامت تک اللہ تعالی کے حرام کرنے کی وجہ سے حرام ہے۔(۱)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بھی مکہ کی حرمت کا اعلان کیا ہے،اور بیت اللہ کی تعمیر کی ہے،اوراسے نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک صاف کیا ہے۔اورلوگوں میں حج کی منادی کی ہے۔چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "أن إبراهيم حرّم مكة ودعا لها، وحرّمت المدينة كما حرم إبراهيم مكة، ودعوت لها في مدّها وصاعها مثل ما دعا إبراهيم عليه السلام لمكة" (۲) بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کوحرام قرار دیا ہے،اوراس کے لیے دعا کی ہے۔اورمیں نے مدینہ کوحرم قرار دیا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کوحرام قرار دیا ہے۔اورمیں نے مدینہ اور مدینہ کے مداور صاع میں برکت کی دعا کی ہے، جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے دعا کی ہے۔

یہ حدیث اللہ تعالی کے اس بیان سے کہ ''مکہ زمین وآسمان کی تخلیق سے حرمت والا ہے'' کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان احادیث کو جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کوحرام

(۱) صحیح مسلم: کتاب الحج، باب تحریم مکۃ وصیدھا وخلاھا وشجرھا ولقطتھا الا لمنشد علی الدوم، حدیث نمبر:۱۳۵۳۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب برکۃ صاع النبی ﷺ، حدیث نمبر ۲۱۲۹۔

قرار دیا ہے، ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ احادیث، جو اس بات پر دال ہیں کہ اللہ تعالی نے مکہ کو زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت ہی سے حرمت والا قرار دیا ہے، اور وہ احادیث جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے حرم قرار دیا ہے، دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شہر مکہ کے حکم اور اس کی حرمت کو اللہ تعالی ہی کی جانب سے پہنچایا ہے، اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے پہلے بھی مکہ ہمیشہ حرمت والا شہر رہا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ اللہ تعالی کے یہاں ''خاتم النبیین'' اس وقت لکھ دیئے گئے تھے جب آدم علیہ السلام اپنی مٹی ہی میں تھے۔(۱) اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی ہے: ﴿ربنا وابعث فيهم رسولا منهم﴾ (البقرۃ: ۱۲۹) اے ہمارے پروردگار ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج۔ بلا شبہ اللہ تعالی نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ یہ اللہ تعالی کے علم و تقدیر میں معلوم و مقدر تھا۔

اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ کرام - رضی اللہ عنہم - نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اپنی ابتدائی تخلیق کے بارے میں ہمیں کچھ بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دعوة إبراهيم عليه السلام وبشرى عيسى بن مريم، ورأت أمي كأنه خرج منها نور أضاء ت له قصور الشام" (۲) میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسی بن مریم کی بشارت، (اور اپنی والدہ کا خواب ہوں) میری ماں نے یہ خواب دیکھا کہ اس سے ایک نور نکلا، جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خانہ کعبہ کی تعمیر کے بارے میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وإذ يرفع إبراهيم القواعد من البيت وإسماعيل، ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم﴾ (البقرۃ: ۱۲۷) (ترجمہ) اور جب حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھا رہے تھے، یہ دعا کر رہے تھے کہ: اے ہمارے پروردگار، تو ہم سے اس تعمیر کو قبول فرما، تو ہی سننے والا، جاننے والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خانہ کعبہ کی تطہیر، اور لوگوں میں حج کی منادی کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وإذ بوأنا لإبراهيم مكان البيت أن لا تشرك بي شيئا وطهر بيتي للطائفين والقائمين

(۱) بروایت حضرت عرباض بن ساریہ - رضی اللہ عنہ - اسے مرفوعاً امام احمد بن حنبل نے مسند (۱۲۷/۴) میں، امام بخاری نے تاریخ کبیر (۶۸/۶) اور تاریخ صغیر (۳۹/۱) میں، بیہقی نے دلائل النبوۃ (۱۳۰/۲) میں، ابن حبان نے اپنی صحیح (حدیث نمبر: ۶۴۰۴) میں، اور حاکم نے مستدرک (۱۶۰۰/۲) میں روایت کیا ہے۔ حاکم نے اسے ''صحیح'' کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲۲۳/۸) میں کہا ہے: ''امام احمد کی سندوں میں سے ایک سند کے رجال صحیح کے رجال ہیں، بجز سعید بن سوید کے، انہیں ابن حبان نے (ثقہ) کہا ہے''۔

(۲) یہ متذکرہ بالا روایت کا ایک ٹکڑا ہے۔ نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر (۱۸۳/۱)

والركع السجود، وأذن في الناس بالحج يأتوك رجالا وعلى كل ضامر يأتين من كل فج عميق﴾ (الحج:۲۶-۲۷) (ترجمہ) اور جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے کعبہ کی جگہ مقرر کردی اور ان سے کہا: میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور میرے گھر (خانہ کعبہ) کو طواف، قیام، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔ اور لوگوں میں حج کی منادی کردو۔ تاکہ لوگ تیرے پاس پاپیادہ آئیں اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی، دور دراز کی تمام راہوں سے۔

خانہ کعبہ اور حرم کی عظیم حرمت، اور تا قیامت اس حرمت کی بقاء ودوام کو نبی ﷺ نے بھی موکد طریقہ سے بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالی نے اسے (فتح مکہ کے موقع پر) آپ کے لیے دن کی چند ساعت کے لیے حلال کیا تھا، تاکہ اسے جاہلی اعمال، شرک اور بتوں سے پاک کردیں۔ پھر اس کے بعد خانہ کعبہ کی حرمت وعظمت اپنی جگہ لوٹ آئی جیسے پہلے تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إن الله حبس عن مكة الفيل، وسلّط عليها رسوله الأمين، وإنها لن تحل لأحد كان قبلي، وإنها أحلت لي ساعة من نهار، وإنها لن تحل لأحد بعدي" (۱) بیشک اللہ تعالی نے ہاتھیوں کو مکہ سے روکا ہے۔ اور اس پر اپنے رسول امین کو تسلط دیا ہے۔ اور اسے مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا۔ اور میرے لیے دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا تھا۔ اور میرے بعد (اب) پھر کسی کے لیے ہرگز حلال نہیں ہوگا۔ لہذا مکہ تا قیامت اللہ تعالی کا حرم ہے۔

بلاشبہ یہی حرمت مسجد حرام اور ان جگہوں کو حاصل ہے، جو اس کے گرد ونواح میں ہیں، جنہیں اللہ تعالی نے مکہ اور خانہ کعبہ کی بزرگی وشرافت کا اعتبار کرتے ہوئے حرمت میں مسجد حرام کے حکم میں کردیا ہے۔

۲- اللہ تعالی کا قرآن مجید میں مکہ کی قسم کھانا:

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں مختلف آیتوں میں بلد حرام (مکہ) کی قسم کھائی ہے، جو مکہ کی عظمت پر دلالت، اور اللہ تعالی کے نزدیک اس کی بلند وبالا منزلت اور رفعت شان پر توجہ دلاتی ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿والتين والزيتون، وطور سينين، وهذا البلد الأمين﴾ (التین:۱-۳) (ترجمہ) قسم ہے انجیر کی، اور زیتون کی، اور طور سینین کی، اور اس امن والے شہر (مکہ) کی۔

صیغۂ قسم سے تعبیر کرنا بلد حرام کی عظمت شان پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالی نے اسے اسی وقت باعظمت بنادیا، جب بلد حرام کی قسم کھائی اور قسم میں اسم اشارہ (ھذا) سے اشارہ کیا ہے جو اللہ تعالی کے نزدیک اس کی منزلت کی قربت پر دلالت کرتا ہے۔

پھر اللہ تعالی نے بلد حرام کو "امین" سے متصف کیا ہے۔

(۱) صحیح بخاری: کتاب اللقطۃ، باب کیف تعرف لقطۃ أھل مکۃ؟ حدیث نمبر: ۲۴۳۴، صحیح مسلم: کتاب الحج، باب تحریم مکۃ وصیدھا.....حدیث نمبر: ۱۳۵۵، اور مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

امین، فعیل کے وزن پر، فاعل کے معنی میں ہے، یعنی: امن والی جگہ۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿لا أقسم بهذا البلد، وأنت حل بهذا البلد﴾ (البلد:۱-۲)

(ترجمہ) میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں، اور آپ شہر میں مقیم ہیں۔

یہ ایک دوسری قسم ہے جس میں دوسرا اسلوب استعمال کیا گیا ہے، اس میں بھی اسم اشارہ (هذا) کے استعمال کے ساتھ مزید تاکید ہے۔

۳- مکہ اور اہل مکہ کے لیے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی دعا:

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل اور اہلیہ ہاجرہ علیہما السلام کو مکہ میں بسانے کے بعد اس شہر اور باشندگان شہر کے لیے دعا کی ہے۔ یہ دعا کی ہے کہ اسے امن والا شہر بنائے، اور اس کی اولاد کو بت پرستی سے دور رکھے۔

اور یہ بھی دعا کی ہے کہ ان کی طرف، اور ان کے اس شہر کی طرف تمام مسلمانوں کے دلوں کو مائل کردے۔

اور یہ بھی دعا کی ہے کہ ان کو پھلوں سے رزق عطا کرے۔

اور یہ بھی دعا کی ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک نبی مبعوث کرے۔

یہ ابوالأنبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی بابرکت دعائیں ہیں جنہیں ہمارے پروردگار نے اپنی باعزت کتاب (قرآن مجید) میں ذکر کیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وإذ قال إبراهيم رب اجعل هذا البلد آمنا واجنبني وبنيّ أن نعبد الأصنام، رب إنهن أضللن كثيرا من ذريتي بواد غير ذي زرع عند بيتك المحرم ربنا ليقيموا الصلاة فاجعل أفئدة من الناس تهوي إليهم وارزقهم من الثمرات لعلهم يشكرون﴾ (ابراہیم:۳۵-۳۷) (ترجمہ) (ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی یاد کرو) جب انہوں نے کہا کہ اے میرے پروردگار! اس شہر کو پرامن بنادے، اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچالے۔ اے میرے پالنے والے معبود، ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو راہ (راست) سے بھٹکا دیا ہے۔ پس میری تابعداری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی معاف اور کرم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد اس وادی غیر ذی زرع میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم کریں۔ اس لیے تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے۔ اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما، تاکہ یہ شکر گذاری کریں۔

نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم إنك

أنت العزيز الحكيم﴾ (البقرۃ:۱۲۹) (ترجمہ) اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے رسول بھیج، جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ انہیں کتاب وحکمت سکھائے، اور انہیں پاک کرے۔ یقیناً تو زبردست غلبہ والا، حکمت والا ہے۔

اللہ تعالی نے اس مبارک دعا کو قبول کر کے اس وادی غیر ذی زرع کے باشندگان کو متنوع الاقسام پھلوں کی روزیاں عنایت فرمائی، جو دور دراز اور قریب شہروں، بلند و بالا اور نشیبی علاقوں سے کھچے کھچے چلے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ موسم گرما میں سرما کے میوے، اور موسم سرما میں موسم گرما کے میوے پاتے ہیں۔ بابرکت ہے دعاؤں کو قبول کرنے والا رب، اور تمام تعریفیں بہت عطا کرنے والے اللہ سبحانہ کے لیے ہیں۔

اس بلد حرام کے باشندگان پر اللہ عزوجل کا یہ احسان نعمت کی اہمیت کی یاد دہانی کرتا ہے۔ اور اس کے حرم، اور خانہ کعبہ میں سوء ادبی سے خوف دلاتا ہے جس پر اللہ تعالی کا یہ قول دلالت کرتا ہے: ﴿أوَ لم نمكن لهم حرما آمنا يجبى إليه ثمرات كل شيء رزقا من لدنا ولكن أكثرهم لا يعلمون﴾ (القصص: ۵۷) (ترجمہ) کیا ہم نے انہیں امن وامان، اور حرمت والے حرم میں جگہ نہیں دی؟ جہاں تمام چیزوں کے پھل کھچے چلے آتے ہیں، جو ہمارے پاس بطور رزق کے ہیں لیکن ان میں سے اکثر کچھ نہیں جانتے۔

رہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسلمانوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیرنے اور ان کے شہر کی طرف شوق رکھنے کی دعا تو اسے بھی اللہ تعالی نے شرف قبولیت بخشا۔ اور اس گھر کو لوگوں کے لیے مرکز ومرجع بنایا، جہاں لوگ سالہا سال تمام ملکوں سے بار بار آنے کے لیے بے قرار رہتے ہیں، اور انہیں تسکین خاطر نہیں ہوتی، بلکہ جب جب اس گھر کی زیارت ہوا کرتی ہے شوقِ دید بڑھتا جاتا ہے۔ (۱) اس لیے کہ اللہ تعالی نے یہاں آنے کا شوق، اور اس گھر کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ نے کہا کہ: اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ﴿أفئدة الناس﴾ کہتے تو عیسائی، یہودی، مجوسی اور دیگر سب لوگ مکہ پہنچتے۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام نے ﴿أفئدة من الناس﴾ (لوگوں میں سے چند کو) کہا جس کی وجہ سے اسے صرف مسلمانوں کے لیے خاص کر دیا۔

ناخواندہ لوگوں اور تمام انس وجن میں محمد رسول ﷺ کی بعثت کے بارے میں حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی دعا تو یہ بھی اللہ تعالی کی سابقہ تقدیر کے موافق ہوئی اور یہ دعا بھی قبول ہوئی۔

حضرت عرباض بن ساریہ- رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إني عند الله لخاتم النبين، وإن آدم – عليه السلام – لمنجدل في طينته، وسأنبئكم بأول ذلك دعوة أبي إبراهيم، وبشارة عيسى بي، ورؤيا أمي التي رأت۔ (۳) بیشک میں اللہ تعالی کے پاس ''خاتم النبیین'' ہوں، اور آدم علیہ

(۱) زاد المعاد (۵۱/۱) (۲) اسے ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر (۱۵۵/۱۴) میں روایت کیا ہے۔ نیز تفسیر ابن کثیر (۵۴۱/۲)۔
(۳) یہ حدیث گذر چکی ہے۔ دیکھئے ص (۲)

السلام ابھی اپنی مٹی ہی میں تھے۔ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسی علیہ السلام کی بشارت، اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔

۴- مکہ اللہ تعالی کا سب سے محبوب شہر:

اس بارے میں شرعی نصوص وارد ہیں، جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ حرمت والا شہر اللہ تعالی کے نزدیک، اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک سب سے افضل اور محبوب شہر ہے۔ حضرت ابن عباس - رضی اللہ عنہما - سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے مخاطب ہوکر فرمایا: "ما أطيبك من بلد، وما أحبك إليّ، ولولا أن قومك أخرجوني ما سكنت غيرك" (۱) تو کس قدر عمدہ شہر ہے، اور میری طرف کس قدر محبوب ہے۔ اگر تیری قوم مجھے نہ نکالتی تو تیرے سوا میں کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عدی بن حمراء سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ خزورہ (۲) چھوٹے ٹیلے پر کھڑے ہوکر فرمایا: "إنك لخير أرض الله، وأحب أرض الله إلى الله، ولولا أني أخرجت منك ماخرجت" (۳) اے مکہ، بیشک تو اللہ تعالی کی سب سے بہترین زمین ہے، اور اللہ تعالی کی طرف سب سے محبوب زمین ہے۔ کاش مجھے نہ نکالا جاتا تو میں نہیں نکلتا۔

۵- مکہ میں دجال داخل نہیں ہوگا:

اللہ تعالی نے اس بلد امین کو، اور رسول اللہ ﷺ کے شہر (مدینہ) کو یہ شرف بخشا ہے کہ اس میں دجّال داخل نہیں ہوگا۔ اور ان دونوں شہروں کے لیے فرشتوں کی ایک جماعت کو مقرر کر رکھا ہے جو دجال کے داخل ہونے سے اسے بچائیں گے۔ جس کی وجہ سے دجال، اللہ تعالی کے حرم اور اس کے امن والے شہر مکہ، اور رسول اللہ ﷺ کے شہر طیبہ میں داخل ہونے پر متمکن نہیں ہوگا۔ اس پر صحیح بخاری کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے، جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"ليس بلد إلا سيطؤه الدجال إلا مكة والمدينة، ليس من نقابها نقب إلا عليه الملائكة

---

(۱) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے، اور اسے حسن کہا ہے (سنن ترمذی حدیث نمبر ۳۹۲۶) نیز اسے ابن حبان نے اپنی صحیح (حدیث نمبر ۲۷۰۹) میں اور حاکم نے مستدرک (۴۸۶/۱) میں روایت کیا ہے، اور اسے صحیح کہا ہے۔

(۲) چھوٹے ٹیلے کو کہتے ہیں، یہ ایک جگہ کا نام ہے جو اہل مکہ کی بازار تھی۔ پھر اسے توسیع میں حرم میں شامل کر دیا گیا۔ اخبار مکہ للأزرقی: ۲۹۴/۲۔

(۳) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے، اور اسے صحیح کہا ہے (سنن ترمذی، حدیث نمبر ۳۹۲۵) نیز اسے نسائی نے سنن کبری حدیث نمبر ۴۲۳۹، ۴۲۳۸ میں، ابن ماجہ نے سنن (حدیث نمبر ۳۱۰۸) میں اور حاکم نے مستدرک ۷/۳، ۴۳۱/۳ میں روایت کیا ہے، اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

صافين يحرسونها، ثم ترجف المدينة بأهلها ثلاث رجفات فيخرج الله كل كافر ومنافق" (۱) مکہ اور مدینہ کے علاوہ دجال ہر شہر کو روندے گا (یعنی داخل ہوگا) اور مکہ و مدینہ کے پہاڑی راستوں میں سے ہر ایک راستے پر فرشتے مقرر ہیں، جو صف بستہ ان کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ پھر دجال مدینہ کے قریب آئے گا تو مدینہ تین مرتبہ زلزلوں سے لرز اٹھے گا۔ اللہ تعالی مدینہ سے ہر کافر و منافق کو باہر نکال دے گا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت تمیم داری -رضی اللہ عنہ- روایت میں مسیح دجال کا قول ہے: قریب ہے کہ مجھے نکلنے کی اجازت دی جائے، پھر میں نکلوں گا۔ زمین میں چلوں گا۔ میں کسی گاؤں کو نہیں چھوڑوں گا مگر اس میں چالیس رات قیام کروں گا سوائے مکہ اور مدینہ کے۔ یہ دونوں مجھ پر حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ جب جب میں (ان میں سے) کسی ایک میں داخلہ کا ارادہ کروں گا، تو ایک فرشتہ جس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی ننگی تلوار ہوگی، میرا مقابلہ کرے گا، اور مجھے روک دے گا۔ اور مکہ اور مدینہ کے ہر راستہ پر فرشتے مقرر ہوں گے جو اس کی حفاظت کریں گے۔ (۲)

ہم دجال کے فتنے سے اللہ تعالی کی پناہ چاہتے ہیں۔

۶- مکہ، ایمان سمٹنے کی جگہ ہے

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"إن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا كما كان، وهو يأزر بين المسجدين كما تأرز الحية في حجرها" (۳) بیشک اسلام غریب بن کر ظاہر ہوا ہے، اور غریب بن کر لوٹ جائے گا، جیسے پہلے شروع ہوا تھا۔ اور اسلام دونوں مسجدوں کے درمیان سمٹ جائے گا، جیسے سانپ اپنے بل میں سمٹ جاتا ہے۔

امام نووی -رحمہ اللہ- نے کہا: ''دونوں مسجدوں سے مراد: مکہ اور مدینہ کی مسجد ہے''۔ (۴)

☆☆☆

(۱) صحیح بخاری: کتاب فضائل المدینۃ، باب لا یدخل الدجال المدینۃ، حدیث نمبر ۱۸۸۱۔
(۲) یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، جسے امام مسلم نے کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب قصۃ الجساسۃ (حدیث نمبر ۲۹۴۲) میں روایت کیا ہے۔
(۳) صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب بیان أن الاسلام بدأ غریبا وسیعود غریبا، حدیث نمبر ۱۴۶۔
(۵) شرح مسلم: ۲/۱۷۷۔

شخصیات

إمام دارالهجرة مالك بن أنس رحمه الله
اوران کی کتاب موطأ

مولانا محمد ایوب سلفی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

اللہ تعالیٰ کا اپنے تمام بندوں خصوصا مسلمانوں پر بہت سارے احسانات ہیں، ان احسانات میں سے ایک عظیم احسان ان کے درمیان اپنے آخری رسول محمد ﷺ کو اپنے آخری پیغام کے ساتھ مبعوث فرمانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اپنی عظیم اور مقدس ومتبرک کتاب کو اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا اور آپ کی نبوی زندگی کو اس کتاب عظیم کی تفسیر قرار دیا۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (النحل:۴۴) ''یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں اور شاید کہ وہ غور وفکر کریں''۔ اس پوری شریعت کو نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور قیامت تک اس شریعت کے جملہ اصول وقوانین پر مشتمل کتاب اور اس کتاب کی مکمل تفسیر یعنی احادیث نبویہ کی حفاظت کرنے والا بھی وہی ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر:۹) ''ہم نے ہی اس ذکر (کتاب) کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ صاحب احسن البیان شیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں:

''قرآن کو یہاں ''ذکر'' نصیحت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اہل جہاں کے لیے ذکر (یاددہانی اور نصیحت) ہونے کے پہلو کو نبی ﷺ کے تابندہ نقوش اور آپ کے فرمودات کو بھی محفوظ کرکے قیامت تک کے لیے باقی رکھا گیا ہے''۔ (تفسیر احسن البیان، ص:۶۳۴)

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے حرف بحرف، ایک ایک نقطہ اور ایک ایک لفظ زمانے کے دسبرد اور انسانوں کے تغیر وتبدل سے محفوظ ومأمون ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک اپنی اصلی حالت میں باقی رہے گا۔ ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ قرآن کریم کی حقیقی اور عملی تفسیر اور وحی الٰہی کی دوسری قسم جیسے وحی غیر متلو کہا جاتا ہے یعنی احادیث نبویہ بھی محفوظ ومامون ہیں ان کی حفاظت وصیانت کا انتظام اللہ تعالیٰ نے زمانہ نبوی ہی سے اس طرح کر رکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ آپ کے اخلاق وآداب عبادات ومعاملات اور رہن سہن سے متعلق ایک ایک تفصیل کتب احادیث، جوامع وسنن ومسانید ومعاجم کے اندر موجود ہیں۔ زمانہ نبوی میں صحابہ کرام اور صحابیات نے آپ کی ایک ایک بات

کو اپنے سینے اور ذہن و دماغ کے اندر محفوظ رکھا، پھر انھیں تابعین تک پہونچایا اور یہ سلسلہ نسلا بعد نسل چلتا رہا، پھر تدوین حدیث، کتب احادیث کے جمع و ترتیب کا سنہری دور شروع ہوا اور محدثین عظام کے مقدس گروہ نے آپ ﷺ کی حدیثوں کے مجموعے تیار کئے، احادیث و آثار کو مرتب و مدون کیا۔ انھیں فقہی ابواب کے مطابق جمع کیا اور ان کی تبویب کی، محدثین عظام اور فقہاء کرام کی ان مخلصانہ کوششوں کی بدولت امت اسلامیہ کو موطأ امام مالک، مسند امام احمد بن حنبل، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ جیسی عظیم کتابیں ملیں، جن محدثین عظام نے احادیث رسول ﷺ کے جمع و تدوین اور ترتیب و تبویب کا مقدس فریضہ انجام دیا اور اپنے شبانہ روز کی محنتوں اور کاوشوں سے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کے ایک ایک گوشے سے واقف اور آشنا کرایا، ان میں ایک عظیم نام امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ ذیل میں آپ کی بے مثال شخصیت اور آپ کی عظیم کتاب موطأ کی افادۂ عام کے لیے قدر تفصیل سے تعارف کرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

نام ونسب:

آپ کا اسم گرامی مالک۔ کنیت ابوعبداللہ اور لقب امام دارالہجرہ ہے۔ آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے:

امام دارالہجرہ، ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن خثیل بن عمرو بن الحارث بن عوف بن مالک بن زید بن شداد بن زرعہ الأصبحی۔

خاندانی حالت:

آپ کا خاندان خالص عربی خاندان تھا، آپ کا تعلق یمن کے ایک قبیلہ ذوأصبح سے تھا، اس لیے آپ أصبحی کہلاتے ہیں، آپ کی والدہ محترمہ عالیہ بنت شریک بن عبدالرحمٰن کا تعلق قبیلہ ازد سے تھا، جو قحطانی عرب کا مشہور قبیلہ تھا، آپ کے والد محترم انس بن مالک رحمہ اللہ مشہور عالم دین تھے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کے والد محترم کا فن حدیث سے اشتغال کم تھا، جس کی وجہ سے امام مالک نے اپنے والد محترم سے حدیثیں نہیں لی ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آپ کا پورا گھرانہ علمی اور حدیثی اشتغال رکھنے والا گھرانہ تھا اور آپ نے اپنے والد محترم سے بھی بعض حدیثیں لی ہیں۔ (دیکھئے الامام مالک بن انس امام دارالہجرۃ از عبدالغنی الدقر، ص: ۲۵-۲۶)

آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے جد اعلی ابوعامر (نافع) مدینہ تشریف لائے اور مشرف باسلام ہوئے، اس وقت آنحضور ﷺ کا وصال ہو چکا تھا، اس لیے وہ شرف صحابیت سے مشرف نہ ہو سکے، انھوں نے مدینہ آکر قبیلہ تمیم میں نکاح کرلیا اور مستقل طور پر مدینہ میں مقیم ہوگئے۔ بعض سیرت نگاروں نے ابوعامر (نافع) کو صحابی رسول مانا ہے اور یہ لکھا ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا بلکہ جنگ بدر کے علاوہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک بھی ہوئے، لیکن امام زرقانی شارح موطأ امام مالک کا کہنا ہے کہ ابوعامر اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے، مگر اللہ کے

رسول ﷺ سے ملاقات نہ کر سکے، عثمان بن عفان وغیرہ سے حدیثیں سنیں، گویا وہ تابعی مخضرم ہیں۔ (دیکھئے: شرح الزرقانی ۱/۵، مقدمہ)

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت باسعادت مدینہ میں ۹۳ھ یا ۹۵ھ میں ہوئی۔ آپ کے بعض سیرت نگاروں نے آپ کے تعلق سے یہ لکھا ہے کہ آپ اپنی والدہ محترمہ کے بطن میں دو سال یا تین سال تک رہے، اس قسم کی باتیں بیان کر کے بعض لوگ آپ کی زندگی کو عجائب وغرائب کا مجموعہ قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

دراصل یہ بات واقدی کی ایک روایت کی بنیاد پر مشہور ہوئی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کبھی مدت حمل تین سال بھی ہوتی ہے اور بعض لوگ شکم مادر میں تین سال رہے، اس قول سے امام مالک نے خود کو مراد لیا ہے۔ (تزیین الممالک، ص:۷)

مشہور مصری عالم اور سیرت نگار محمد ابوزہرہ فرماتے ہیں: اگرچہ یہ رائے بعض ماؤں اور بعض عورتوں کی خبروں کی بنیاد پر مشہور ہوئی ہے مگر یہ رائے قبول کرنے کے لائق نہیں ہے، اس لیے کہ طبی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حمل کا شکم مادر میں ۹/ ماہ سے زیادہ ٹھہرنا ممکن نہیں ہے۔ (دیکھئے: مالك حياته و عصره و آراء ه و فقهه، ص:۲۴)

اس قسم کی باتیں عقل ونقل ہر دو اعتبار سے صحیح نہیں ہیں اور نہ ان سے امام مالک رحمہ اللہ کی شان میں کسی قسم کا اضافہ ہونے والا ہے۔

نشو ونما:

امام مالک رحمہ اللہ کی نشو ونما اور پرورش و پرداخت خالص علمی دینی اور روحانی ماحول وفضا میں ہوئی گھر میں علم آثار وحدیث کا چرچا تھا چونکہ یہ دور صحابہ سے بہت ہی قریب کا دور تھا، اس لیے ہر سو تقوی وطہارت اخلاص وللّٰہیت اور روحانیت کی فضا قائم تھی، اسی فضا میں امام مالک رحمہ اللہ کی نشو ونما ہوئی گھر کے ماحول سے بھی آپ نے بہت کچھ سمجھا اور سیکھا اور علم حدیث کے تتبع اور تحقیق وجستجو کے جذبے ابتدا ہی سے آپ کے ذہن ودماغ میں پروان چڑھنے لگے۔

طلب علم:

اس وقت ہر مسلم گھرانے کا رواج تھا کہ سب سے پہلے بچوں کو قرآن کریم حفظ کرایا جاتا تھا، اس رواج کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ نے بھی سب سے پہلے قرآن کریم حفظ کیا۔ طلب علم سے متعلق امام مالک رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ میرا ایک بھائی تھا۔ ایک دن والد محترم نے ہم دونوں بھائی سے ایک سوال کیا۔ میرے بھائی نے اس کا صحیح جواب دے دیا لیکن مجھ سے جواب نہ بن پایا۔ والد محترم نے فرمایا کہ تم کو کبوتر بازی نے طلب علم سے بے رغبت کر رکھا ہے، والد محترم کی اس بات سے مجھے

بہت زیادہ غیرت آئی اور میں ہر چیز سے کٹ کر ابن ہرمز (م ۱۱۷ھ) کے درس میں بیٹھنے لگا اور مسلسل سات سالوں تک ان کے پاس آتا جاتا اور علم سیکھتا رہا، امام مالک رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ جب میں ابن ہرمز کے پاس جاتا تو کچھ کھجوریں لے کر جاتا اور ان کے گھر کے بچوں کو دے دیتا اور ان سے کہتا کہ اگر کوئی شیخ کے بارے میں پوچھے تو کہنا کہ وہ مشغول ہیں۔ میں اپنے استاد ابن ہرمز کے پاس صبح سویرے آتا اور پھر رات ہی میں واپس جاتا۔ (دیکھئے: الامام مالک بن انس امام دارالہجرۃ، از شیخ عبدالغنی الدقر، ص: ۴۶-۴۷)

آپ کی سیرت وحیاۃ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے آپ نے ابن ہرمز کے درس میں بیٹھنا شروع کیا چونکہ ایک نوعمر ونوخیز طالب علم کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ کسی ایک پختہ عالم کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رہے تاکہ اس کے علم کے ساتھ عقیدہ ومنہج اور فکر کے اندر بھی پختگی، سلامتی اور درستگی پیدا ہو، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ سات سالوں تک مسلسل ابن ہرمز کے درس میں بیٹھے اور ان کے زیر تربیت رہ کر علم وادب کے زیور سے آراستہ ہوتے رہے۔ پھر ایک دن آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو اچھا وخوبصورت لباس پہنایا، سر پر ایک خاص قسم کی ٹوپی رکھی اور مدینہ کے مشہور ومعروف عالم دین، محدث وفقیہ حضرت ربیعہ الرائی (م ۱۳۶ھ) کے درس میں چھوڑ آئیں اور یہ نصیحت بھی کر گئیں کہ بیٹے تم ربیعہ کے پاس جاؤ اور ان کے علم سے پہلے تم ان کے اخلاق وآداب سیکھنا۔

امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت ربیعہ الرائی سے حدیث اور فقہ واصول فقہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی کیونکہ ربیعہ الرائی مدینہ کے بڑے محدث اور عظیم فقیہ تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے فقہی کمالات کے وہ سرچشمہ تھے اور انھیں کے فیض صحبت کی بدولت آپ نے مدنی فقہ کی بنیاد رکھی اور اس کے اصول مرتب کئے اور پھر فقہ مالکی کو رواج حاصل ہوا۔ امام ابن شہاب زہری (م ۱۲۳ھ) رحمہ اللہ جب مدینہ منورہ آکر مقیم ہوئے تو امام مالک رحمہ اللہ نے آپ کا بھی دامن تھام لیا اور ان سے حدیثوں کی سماعت کرنے لگے، امام مالک کے شوق علم کا یہ حال تھا کہ آپ عید کے دن بھی امام زہری رحمہ اللہ کے گھر پہونچ جاتے جب کہ سارے لوگ کھانے پینے اور تفریح میں مشغول ہوتے اور آپ نہایت ہی انہماک کے ساتھ طلب علم اور سماعت حدیث میں مشغول ہوجاتے۔

امام مالک رحمہ اللہ طلب علم اور سماعت حدیث رسول اللہ ﷺ کے شوق میں اپنے ایک معروف استاذ نافع مولی ابن عمر کے پاس دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں پہونچ جاتے، ان کے مزاج میں کچھ تیزی تھی، جس کی وجہ سے فوراً ان کا سامنا نہ کرتے بلکہ موقع کی تلاش میں رہتے، جب وہ ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد آتے تو اسی درمیان امام مالک رحمہ اللہ کو ابن عمر کی کچھ حدیثیں سنا دیتے اور ان کے فقہ سے بھی آگاہ کرتے اور امام مالک ان حدیثوں کو ازبر کر لیتے تھے۔ (مذکورہ تفصیلات کے لیے دیکھئے: الامام مالک بن انس امام دارالہجرہ اور امام مالک پر لکھی گئی دیگر کتب)

امام مالک کے دیگر شیوخ:

دراصل امام مالک رحمہ اللہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کو جتنے شیوخ کبار سے اخذ واستفادہ کا موقع ملا، ایسا موقع شاید ہی کسی کو ملا ہوگا، آپ نے اپنے سامنے تابعین کی ایک بڑی جماعت پائی جو علوم وفنون احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کے امین تھے۔ اتباع تابعین کی بھی ایک بڑی جماعت آپ کے سامنے موجود تھی، جن کے سینے علم وحکمت کے نور سے منور تھے، آپ نے ان میں سے جسے مناسب سمجھا اس سے اخذ واستفادہ کیا، آپ نے تقریباً ۹ سو شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، ان میں تین سو تابعین اور چھ سو اتباع تابعین تھے، ان سب کا احصاء وشمار یہاں ممکن نہیں ہے۔ چند کے نام یہ ہیں:

زید بن اسلم، ابوالزناد، عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، ایوب سختیانی، ثور بن زید الدیلی، ابراہیم بن ابی عبلۃ المقدسی، حمید الطّویل، ہشام بن عروہ، یحیٰی بن سعید الأنصاری، عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص، عامر بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام، ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل القرشی الأسدی وغیرہم (الامام مالک بن انس امام دارالہجرہ، ص:۶۱-۶۲)

ذکاوت وذہانت:

چونکہ اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ کی مکمل حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں خصوصا اسلام کے ابتدائی ایام میں ایسی ایسی عبقری شخصیات اور حیرت انگیز ذہن ودماغ کے مالک ائمہ کرام اور علماء کو پیدا فرمایا جنہوں نے علوم نبویہ کو اپنے سینے میں محفوظ کیا اور انھیں آنے والی نسلوں تک منتقل کیا، اکابر محدثین کی پوری جماعت اعلیٰ ذہانت وفطانت، بے مثال قوت حافظہ اور حیرت انگیز فہم وفراست کی صفت سے متصف نظر آتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ بھی اپنے زمانہ کے ذہین ترین انسان تھے۔ ابوقدامہ رحمہ اللہ امام مالک کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:

''میں ابن شہاب زہری کے درس میں تھا، انہوں نے چالیس سے کچھ اوپر حدیثیں سنائیں، پھر انھوں نے کہا کہ ابھی جو حدیثیں میں نے بیان کی ہیں انھیں دہراؤ تو میں نے چالیس حدیثیں دہرادیں، چالیس سے اوپر والی حدیثیں نہ سنا سکا''۔

ابن وہب کی ایک روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا: ''میں ابن شہاب زہری کے درس میں بیٹھتا اور میرے پاس دھاگہ ہوتا تھا، وہ جتنی حدیثیں بیان کرتے میں ان پر گرہیں لگالیتا اور گھر آکر ان حدیثوں کو لکھ لیتا۔ ایک دن امام زہری نے تیس حدیثیں بیان فرمائیں میں نے ان پر گرہیں لگائیں پھر بھی ان میں سے ایک حدیث بھول گیا، اس کے بارے میں استاذ محترم سے سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ کیا تم مجلس درس میں نہیں تھے، میں نے کہا کہ میں درس میں موجود تھا، انھوں نے کہا کہ پھر کیا بات ہے کہ یاد نہ کرسکے، تو میں نے کہا کہ آپ نے تیس حدیثیں بیان فرمائیں میں ان میں سے صرف ایک ہی بھولا ہوں''۔ (دیکھئے: الإمام مالک بن انس دارالہجرہ، ص:۷۲)

ان بیانات سے امام مالک رحمہ اللہ کی قوت حافظہ، سرعت ذہن، اور حیرت انگیز قوت ضبط وادارک کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

انتخاب شیوخ میں امام مالک کا معیار:

امام مالک رحمہ اللہ کی ایک خاص خوبی یہ تھی کہ انھوں نے صرف انھیں اساتذہ وشیوخ سے استفادہ کیا جو اہلیت اور استحقاق کے مسند نشین تھے اور صرف ان شیوخ کے حلقہ درس میں بیٹھے جو صدق وطہارت میں معروف اور حفظ وفقہ میں ممتاز تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں کبھی کسی غیر فقیہ کی مجلس میں نہیں بیٹھا، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ مخصوص نعمت تھی جو صرف حضرت امام مالک کے حصہ میں آئی، امام صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس صحن مسجد میں ان ستونوں کے پاس میں نے ستر شیوخ کو پایا جو قال اللہ قال الرسول کہا کرتے تھے، لیکن ان میں سے ایک کے پاس بھی میں نہیں بیٹھا۔

امام مالک کے بھانجے اسماعیل بن ابی اویس روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں مالک کو کہتے سنا ہے کہ: ''یہ علم حدیث دین ہے، پہلے دیکھ لو کہ اسے کس سے حاصل کرتے ہو، میں نے ان ستونوں کے پاس ستر آدمیوں کو قال اللہ وقال الرسول کہتے سنا لیکن میں نے ان سے ایک حرف نہیں سیکھا، حالانکہ ان میں سے ہر شخص ایسا تھا کہ اگر خزانہ بھی اس کے سپرد کیا جاتا تو اس کی ایمانداری اور دیانت کے شیشہ میں بال نہ آتا، لیکن وہ اس فن کے آدمی نہ تھے''۔

مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام کی زبان سے ان کا قول سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ: ''میں نے اس شہر میں بہت سے نیک اور صالح لوگوں کو پایا لیکن ان سے میں نے حدیث نہیں سنی لوگوں نے سبب دریافت کیا تو کہا کہ جو وہ کہتے تھے سمجھتے نہ تھے''۔ (دیکھئے مقدمہ اسعاف المبطاء، ص:۲-۵، منقول از تذکرۃ المحدثین، مرتب شیخ ضیاء الدین اصلاحی ۱/۹-۱۰)

مسند درس وافتاء:

امام مالک رحمہ اللہ نے جب تکمیل علم کرلیا، زیور علم وآداب نبویہ سے آراستہ ہوگئے اور بڑے بڑے علماء وفقہاء و مشائخ سے اخذ واستفادہ کرکے علم وفکر، شعور وادراک، فقہ وفتاوی اور استنباط واجتہاد میں درجہ کمال کو پہونچ گئے، اور علمی حلقوں میں اپنی ایک امتیازی شان پیدا کرلی تو مسجد نبوی میں مسند درس پر جلوہ افروز ہوگئے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ نے سترہ سال کی عمر میں مسند درس سنبھال لیا تھا، مگر اس رائے میں اس لیے صداقت نہیں ہے کہ امام مالک کا خود فرمانا ہے کہ: ''اس شخص کے اندر کوئی بھلائی نہیں ہے جو اپنے آپ کو اس بات کا اہل سمجھے، جس کا دوسرے لوگ اس کو اہل نہ سمجھتے ہوں''۔ (دیکھئے: ترتیب المدارک از قاضی عیاض ۱/۱۲۷)

قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کی یہ عمر سیکھنے اور حاصل کرنے کی عمر تھی۔ آپ کا یہ قول بھی کافی مشہور ہے کہ: ''میں مسجد نبوی میں درس وافتاء کے لیے اس وقت تک نہیں بیٹھا جب تک میرے حق میں ستر بڑے مشائخ نے شہادت نہ دے

دی کہ میں اس مقام ومنصب کا اہل ہوں''۔(ترتیب المدارک ۱/ ۱۲۷)

امام مالک رحمہ اللہ کے اس قسم کے اقوال وآراء سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے جب مسند درس سنبھالا تو وہ پختہ عمر، راسخ العلم، وسیع المطالعہ شخص تھے، ان کے علم وفکر اور شعور وادراک میں مکمل پختگی آچکی تھی۔ مسند درس سنبھالنے کے کچھ ہی دنوں بعد آپ کے درس اور علمی وفقہی بصارت وبصیرت کا اس قدر چرچا ہوا کہ ہر چہار جانب سے طالبان علوم نبویہ کی آپ کے درس میں بھیڑ امنڈ گئی۔ آپ کے درس کا یہ حال تھا کہ طلبہ پورے اطمینان وسکون کے ساتھ آپ کے درس میں بیٹھتے، آپ کی یہ نصیحت تھی کہ ''طالب علم کے لیے سکون ووقار ضروری ہے، اس کے اندر اللہ کا خوف وخشیت ہو وہ اپنے سے پیشتر علماء وائمہ کے آثار ونقوش کا سچا پیرو کار رہو، ہنسی مزاق اہل علم کی شان کے خلاف ہے، آپ یہ بھی کہتے کہ اہل علم کے آداب میں سے یہ ہے کہ وہ زور سے نہ ہنسے بلکہ اس کے ہونٹوں پر صرف مسکراہٹ ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ نے ان اخلاق وآداب وشعار کو اپنی زندگی میں مکمل طور سے برتا، وہ پچاس سالوں سے زائد مسند درس وافتاء سنبھالے رہے اور اپنی لمبی مدت میں صرف ایک یا دو بار آپ نے زور سے ہنسا تھا۔ (دیکھئے: مالك حياته وعصره آراء وفقهه، از شیخ محمد ابوزهره، ص:۵۴-۵۵)

آپ مسند درس کو زینت بخشنے سے پہلے غسل فرماتے، سفید اور عالمانہ لباس زیب تن فرماتے، خوشبو لگاتے اور پورے ادب ووقار کے ساتھ احادیث نبویہ کا درس دیتے تھے، مجلس پر سناٹا طاری رہتا، شاگرد آپ کا اس درجہ احترام کرتے تھے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ امام مالک کے درس میں ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کتابوں کے اوراق بھی زور سے نہیں الٹتے تھے کہ کہیں آواز نہ پیدا ہو جائے۔

حدیث رسول ﷺ کے ساتھ امام مالک رحمہ اللہ کی تعظیم وتوقیر کا حال حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں: ''میں امام مالک کے درس میں تھا، آپ حدیث رسول ﷺ کا درس دے رہے تھے، اسی درمیان آپ کو بچھو نے کاٹ لیا اور لگا تار سولہ مرتبہ کاٹتا رہا، آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، درد اور تکلیف سے چہرے پر زردی آگئی مگر آپ ٹس سے مس نہ ہوئے، لگا تار حدیثیں بیان کرتے رہے۔ حسب معمول جب درس منقطع ہوا اور مجلس بکھر گئی تو میں نے کہا اے ابوعبداللہ! میں نے آپ کے اندر ایک عجیب بات دیکھی تو آپ نے فرمایا ہاں! میں نے حدیث رسول کی تعظیم میں اس حالت پر صبر کیا''۔ (تنویر الحوالک، شرح موطأ مالک ۳/۱۶۶)

احادیث نبویہ کی تعظیم واحترام کی اس سے بڑی اور عظیم مثال اور کونسی ہوسکتی ہے۔

اخلاق وصفات:

امام مالک رحمہ اللہ کے علم، شعور وادراک، علمی گہرائی وگیرائی اور طرز تحقیق کو دیکھ کر آپ کے زمانہ کے اہل علم نے آپ

کو عاقل کی صفت سے متصف قرار دیا۔ آپ کے استاذ ربیعہ الرای رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''امام مالک جب تشریف لائیں تو سمجھو کہ عاقل آ گیا''۔ ابن مہدی کا کہنا ہے: ''میں نے چار بڑی شخصیات مالک، سفیان، شعبہ اور ابن المبارک سے ملاقات کی۔ ان میں سب سے زیادہ عقلمند امام مالک کو پایا''۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ میری ان آنکھوں نے امام مالک سے زیادہ پر ہیبت وجلال، ان سے زیادہ عقلمند ان سے زیادہ متقی و پرہیزگار اور ان سے زیادہ کامل دماغ والا کسی کو نہیں دیکھا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فرمان ہے: ''امام مالک عقلمندوں میں ایک بڑے عقلمند تھے''۔ (الامام مالک بن انس امام دارالہجرہ، ص:۳۱۲-۳۱۳)

آپ ایک متواضع انسان تھے اور آپ کا خیال تھا کہ تواضع دین میں ہوتا ہے، لباس میں نہیں۔ آپ ترک ریاء ونمود کو تواضع سے تعبیر کرتے تھے۔ بشر بن عمر کہتے ہیں کہ: ''میں ایک بار امام مالک کے گھر سے ان کے ساتھ مسجد آیا، وہ مسجد میں داخل ہوئے اور ایک مجلس میں پہونچے اس مجلس میں آپ کے لیے اگلی صف میں جگہ خالی کی گئی، مگر آپ نے آگے بیٹھنا گوارا نہ کیا، بلکہ مجلس جہاں ختم ہوتی تھی، آپ وہیں بیٹھ گئے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ واقعی یہ شخص انصاف والا ہے''۔

یحیٰ بن یحیٰ تمیمی کہتے ہیں کہ: ''میں امام مالک سے سماعت حدیث مکمل کرنے کے بعد ان کے پاس مزید ایک سال تک قیام کیا، تاکہ آپ کے اخلاق وآداب اور خصائل وشمائل سیکھوں، میں نے دیکھا کہ آپ کے اخلاق وشمائل صحابہ وتابعین کے اخلاق وشمائل سے ملتے جلتے تھے، آپ خاموش مزاج، کم گو اور زبان کی حفاظت کرنے والے شخص تھے''۔

محمد بن خالد بن عثمہ فرماتے ہیں کہ: ''میں جب بھی امام مالک کو دیکھتا تو آپ کے چہرے سے خوف آخرت کے آثار ظاہر ہوتے، جب آپ بولتے تو حق کے سوا کچھ بھی نہ بولتے، آپ کی عبادات زیادہ تر گوشۂ تنہائی میں ہوتیں''۔

ابن وہب کہتے ہیں کہ: ''امام مالک دن ورات کے ان حصوں میں عبادت الٰہیہ میں مشغول ہوتے تھے جب آپ کو کوئی نہیں دیکھتا تھا''۔

ابن مبارک کہتے ہیں کہ: ''میں نے امام مالک کو خاشعین میں پایا، اللہ نے امام مالک کو اپنے اور ان کے درمیان پوشیدہ راز ہی کی بنیاد پر بلندی عطا فرمائی، وہ راز یہ ہے کہ امام مالک اکثر کہا کرتے تھے کہ جو چاہتا ہے کہ اس کے قلب میں کشادگی پیدا ہو اور وہ موت کی سختیوں اور قیامت کی ہولناکیوں سے نجات پائے تو وہ جلوت سے زیادہ خلوت میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہے''۔

ابن وہب کا بیان ہے کہ: ''میں نے امام مالک سے زیادہ صاحب ورع کسی کو نہیں دیکھا''۔ (الامام مالک بن انس امام دارالہجرۃ، ص:۳۱۲-۳۲۲، ملخصا)

امام مالک اہل علم کی کسوٹی پر:

بلاشبہ امام مالک رحمہ اللہ علم وفقہ، تقوی وطہارت، سنجیدگی ووقار، محبت رسول، حق گوئی وبے باکی، اور شعور وآگہی کے

اس مقام بلند پر فائز تھے کہ اپنے اور غیر سب آپ کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

ذیل میں امام مالک کی تعریف میں علماء کے چند اقوال ذکر کئے جارہے ہیں:

امام ابن شہاب زہری نے امام مالک رحمہ اللہ سے فرمایا: ''آپ علم وعرفان کے کشادہ ظرف ہیں، آپ علم کے بہترین خزینہ ہیں''۔ امام سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ: ''امام مالک سے ہمارا کیا مقابلہ ہم امام مالک کے نقش قدم کے پیروکار ہیں۔ انھوں نے جن شیوخ سے روایات لی ہیں ہم بھی انھیں سے لیتے ہیں''۔ عظیم ماہر رجال امام یحیٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں: ''امام مالک مخلوق کے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں''۔

امام شافعی (م ۲۰۴ھ) کا کہنا ہے کہ ''جب علماء کا ذکر آئے تو امام مالک ستارہ ہیں''۔ جعفر الصادق (م ۱۴۸ھ) سے کوفہ میں ان کے مرض الموت میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم اپنے دینی امور میں کس کی طرف رجوع کریں، تو انھوں نے فرمایا: ''تم اہل مدینہ کے قول کو لازم پکڑو، اس لیے کہ مدینہ اپنی گندگی کو اس طرح باہر نکال پھینکتا ہے، جس طرح بھٹی لوہے کی گندگی کو صاف کردیتی ہے۔ پھر انھوں نے امام مالک کے بارے میں کہا کہ اس شخص کو لازم پکڑو جو مبارک ہے، جسے اللہ کی تائید حاصل ہے، اور جو اسلام میں بابرکت ہے، اور جس کا مشغلہ احادیث نبویہ کو تلاش کرنا ہے، میں نے اس کا امتحان لیا ہے، میں نے اسے فاضل، فقیہ، متبع اور یکتائے روزگار پایا وہ نفس پرستی سے دور ہے، حاجات اس کی شان کو کم نہیں کرتیں وہ صرف اصحاب علم وفضل سے روایات لیتا ہے اگر تم نے اس کی پیروی کی تو تم اسلام کا حظ وافر پاجاؤ گے اور اس کی مخالفت کروگے تو ضلالت وگمراہی کی دلدل میں جا پھنسو گے۔ (الامام مالک بن انس امام دارالہجرۃ، ص: ۳۵۵-۳۶۲)

امام مالک رحمہ اللہ کا عقیدہ ومسلک:

بلاشبہ امام مالک رحمہ اللہ عقیدہ ومسلک اہل سنت واھل الحدیث کے پابند تھے، آپ کا عقیدہ ومنہج وہی تھا جو عام صحابہ کرام وتابعین عظام کا تھا۔ آپ اپنے زمانہ کے اہل بدعت کے اقوال وآراء سے واقف وآشنا ہونے کے باوجود ان کے افکار وآراء اور ان کے بدعی اعمال وافعال سے کوسوں دور تھے، بلکہ ان کے غیر شرعی عقائد وافکار، ان کے بے تکے شبہات وشکوک پر علمی رد فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں کچھ گمراہ اور بدعقیدہ لوگوں نے اپنی عقل ورای کا سہارا لے کر صفات الٰہیہ کے مسئلوں پر موشگافیاں شروع کردی تھیں۔ آپ نے جب پہلی دفعہ یہ سوال سنا کہ: ﴿استواء علی العرش﴾ کے کیا معنی ہیں، تو انھیں اس انداز فکر سے سخت ملال ہوا، دیر تک گردن جھکائے سوچتے رہے، پیشانی پسینے سے تر ہوگئی بالآخر جواب میں یہ جامع کلمات ارشاد فرمائے: ''الإستواء معلوم والكيف مجهول والإيمان به واجب والسوال عنه بدعة'' اللہ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس سلسلے میں سوال کرنا بدعت ہے''۔ پھر آپ نے سوال کرنے والے کو باہر نکال دینے کا حکم دیا۔ (الامام مالک بن انس امام دارالہجرۃ، ص: ۲۹۲)

ابتلاء وآزمائش:

اہل حق کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ انھیں دنیا میں ابتلاء وآزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور یہ سنت نبوی بھی ہے۔امام مالک رحمہ اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے سخت آزمائشوں میں ڈالا،انھیں مشکلیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں،مگر اس مرد مومن اور بطل حق کو اللہ تعالیٰ نے صبر وثبات قدمی جیسی عظیم دولت سے بھی نوازا،سیرت نگاروں کے بقول آپ کی آزمائش کے اسباب درج ذیل ہیں:

آپ شرعی امور ومعاملات میں ہمیشہ حق وصداقت کی راہ اپناتے تھے،بلاخوف وخطر کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر آپ حق کی آواز بلند فرماتے تھے۔چنانچہ جب ۱۳۵ھ میں فاطمی سادات کے معزز فرد محمد نفس ذکیہ (م ۱۳۵ھ) نے علم بغاوت بلند کیا تو اکثر لوگوں نے ان کا ساتھ دیا،ساتھ دینے والوں میں علماء ومحدثین کی اچھی خاصی تعداد تھی،امام مالک نے بھی اس موقع پر فتویٰ دیا کہ:''خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے''اس پر لوگوں نے کہا کہ:''ہم منصور کی بیعت پر حلف اٹھا چکے ہیں'' امام صاحب نے فرمایا:''منصور نے جبرا بیعت لی ہے''اور جو کام جبرا کرایا جائے شرع میں اس کا اعتبار نہیں ہے۔حدیث میں ہے کہ اگر کسی سے جبرا طلاق دلائی جائے تو واقع نہ ہوگی''۔

اس بات پر والی مدینہ آپ کے خلاف ہوگیا اور یہیں سے آپ کی آزمائش کا دور شروع ہوتا ہے،والی مدینہ جعفر مدینہ پہونچ کر دوبارہ خلیفہ منصور کے لیے بیعت لینا شروع کیا اور امام مالک کو کہلا بھیجا کہ آئندہ طلاق جبری کے عدم اعتبار کا فتوی نہ دیں کہ لوگوں کو بیعت جبری کی بے اعتباری وعدم صحت کے لیے سند ہاتھ آئے،لیکن امام صاحب نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور بدستور جبری معاملہ کے عدم صحت کا فتوی دیتے رہے،جعفر نے غضبناک ہوکر حکم دیا کہ ان کو ستر کوڑے مارے جائیں۔چنانچہ امام دارالہجرۃ محکمۂ امارت میں گنہگاروں کی طرح لائے گئے،آپ کے کپڑے اتارے گئے اور شانۂ امامت پر دست ظلم نے ستر کوڑے پورے کئے۔تمام پیٹھ لہولہان ہوگئی۔دونوں ہاتھ مونڈھے سے اتر گئے،اس پر بھی جعفر کو تسلی نہ ہوئی تو حکم دیا کہ اونٹ پر بیٹھا کر شہر میں ان کی تشہیر کی جائے،امام صاحب بایں حال زار بازاروں اور گلیوں سے گذر رہے تھے اور زبان صداقت نشان بآواز بلند کہہ رہی تھی''جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے،جو نہیں جانتا ہے وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں، فتوی دیتا ہوں کہ طلاق جبری درست نہیں ہے''۔(منقول از تذکرۃ المحدثین مرتب صباء الدین اصلاحی ۱/۲۹)

(جاری)

☆☆☆

کردارسازی

تحفظِ عصمت کے اہم ذرائع

عبدالرحیم بن محمد یونس

دورحاضر میں جس طرح بے حیائی وانارکی عام ہے وہ محتاج بیان نہیں، یہ اباحیت پسندی و بے پردگی کا ہی نتیجہ ہے کہ صبح وشام ایسے واقعات وحادثات رونما ہوتے ہیں جو انسانیت کو شرمسار کردیتے ہیں۔ تاہم اس کے کیا عوامل ہیں اسے جاننے کی کوئی کوشش نہیں کرتا، تاکہ ان کا سدباب ہو اور انسان بدکاری وعصمت دری جیسی لعنت سے نجات پائے، محض مذمت اور سیاسی بیان بازی ہی ہوتی ہے۔ لیکن اسلام میں اس لعنت کا بہترین علاج موجود ہے اور معاشرے کی پاکیزگی کا بہترین ذریعہ ہے۔

آیئے! وہ مفید نسخے اور احکام جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُواْ اللّهَ﴾ (النساء: ۱۳۱) ہم نے آپ سے پہلے اہل کتاب (یہود ونصاری) کو بھی یہی حکم دیا کہ اللہ سے ڈرتے رہو.... تقوی اور خشیت الٰہی یہ مومنوں کی صفت ہے، ہر قسم کے فتنوں سے بچنے کے لیے محفوظ پناہ گاہ ہے۔ تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنے کا حکم اس نے اپنے تمام بندوں کو دیا ہے چاہے وہ مرد ہوں یا عورت۔ تاہم نگراں ہونے کے ناطے مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورتوں کو تقویٰ کی ترغیب دیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں عورتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ (النساء:۳۴) خشیت الٰہی عصمت وعفت کے تحفظ کا بہترین آلہ اور ورع وتقویٰ کے حصول کا سبب ہے۔

گھروں میں ٹھہرنا:

معاشرہ کے تمام ہی افراد کی عفت وعصمت کے تحفظ کا بہترین ذریعہ ہے کہ وہ اپنے گھروں میں سکونت اختیار کریں، کسی اہم ضرورت کے تحت ہی باہر نکلیں۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! نجات کس طرح ممکن ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''املك عليك لسانك، وليسعك بيتك، وابك على خطيئتك'' [1] اپنی زبان کو قابو میں رکھو، تمہارا گھر تمہارے لیے کافی ہو اور اپنی غلطیوں پر خوب روؤ۔

اس حدیث میں بلاتفریق مرد وعورت کو یہ حکم ہے کہ انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ فرصت کے اوقات گھر میں گزار کر توبہ واستغفار کرے، اس میں زبان کے ساتھ وعفت وعصمت کا بھی تحفظ ہے۔

آج دیکھا جائے تو بہت ساری خواتین سیر وتفریح کے نام پر ایسے علاقوں کا رُخ کرتی ہیں جو پرخطر ہیں پھر وہ ایسے

[1] رواہ الترمذی فی سننہ وصححہ الألبانی رحمہ اللہ (۲۴۰۶)

درندوں [۱] کے چنگل میں آجاتی ہیں جوان کی عصمت کا پردہ چاک کردیتے ہیں، جب کہ خواتین کے لیے شریعت کے احکام بہت واضح ہیں کہ وہ گھر میں سکونت پذیر رہیں۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ (الاحزاب:۳۳) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرو۔ یعنی اظہار زینت و بے پردگی حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا دائرۂ عمل گھر کی چار دیواری ہے، اور خاتون خانہ کا دراصل یہی مفہوم ہے۔

مریض دل قسم کے لوگوں کے شر سے بچاؤ کی تدابیر:

ایک عورت اپنے گھر میں بھی اجنبیوں کی آمد پر اس سے پورے پردے میں احتیاط کے ساتھ ہی گفتگو کرے اور یہی حال باہر بھی رہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾ (الاحزاب:۳۲) تم نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جو دل کے بیمار ہیں انہیں مائل ہونے کا موقع ملے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔ یعنی لہجے میں روکھا پن ہو، لیکن اخلاق کے منافی نہ ہو۔

تنہا خواتین کا پُرخطر سفر:

جہاں یہ حرمت کا پہلو لیے ہوئے ہے وہیں حوادثات کی کثرت کی یہ بڑی وجہ ہے۔ اس کی حرمت بڑی ہی سخت اور حج بیت اللہ جیسے مبارک سفر کو بھی شامل ہے، جس کی ادائیگی تبھی ممکن ہے جب خاتون خاوند یا محرم (باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ) کے ساتھ ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا يحل لامرأة أن تسافر ثلاثا إلا ومعها ذو محرم منها'' [۲] کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ بغیر محرم کے تین دن کا سفر کرے۔ یہاں تین کا ذکر ہے بعض روایت میں ایک اور بعض میں دو دن کی مسافت کا ذکر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اتنی مسافت جس کو سفر کہا جاسکے، وہ تنہا عورت کے لیے جائز نہیں۔

عورت کا اجنبی سے تنہائی میں ملنا:

اس سے پاکدامنی مشکوک ہوجاتی ہے، عفت پر آنچ آتی ہے، نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے: '' لا يخلون رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان'' [۳] کوئی مرد کسی عورت سے تنہائی میں ملتا ہے تو ان کے درمیان تیسرا

---

[۱] موجودہ دور میں عورتوں کا اغوا (Kidnap) ہونا عام بات ہے، جس کے مہلک نتائج بازارِ فحش کو رواج بخشتے ہیں، اگرچہ عورتیں فطرتاً عفیف ہوتی ہیں لیکن دنیا پرست ان سے قحبہ گری کرا کے ان کی حرام کمائی کھاتے ہیں، رئیس المنافقین کا یہی پیشہ تھا۔ نبی ﷺ نے کسبیوں سے وصولی کرنے سے بڑی سختی سے منع کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (النور:۳۳) اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔

[۲] رواہ البخاری فی صحیحہ:۱۰۸۶

[۳] رواہ الترمذی فی سننہ:۱۱۷۱، وصححہ الألبانی علیہ الرحمۃ

شیطان ہوتا ہے۔

ایسے موقعوں پر شیطان ان کو بہکا سکتا ہے جب عورت خاوند ومحرم کے علاوہ کسی اجنبی سے تنہا ملے۔ اگر آدمی برائی نہ کرے تو بھی یہ حرام ہے کیونکہ دوسروں کو بدنام کرنے اور تہمت لگانے کا موقع دینا ہے۔ اس لیے شریعت نے نہایت سختی سے اس پر پابندی عائد کی۔

مرد وزن کا اختلاط:

عورتوں کا مردوں کے ساتھ بیٹھ کر آفسوں میں کام کرنا، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلباء وطالبات کا ایک ساتھ بے پردہ تعلیم (Co-education) حاصل کرنا، سفر میں اختلاط اور میل جول وغیرہ بُرائی وبے حیائی کے عمومی ذرائع ہیں۔ اسلام میں اسے حرام قرار دیا گیا ہے، پچھلے شرائع بھی اس کو پسند نہیں کرتے، قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اس کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ ولما ورد ماء مدين.... شيخ كبير (القصص:۲۳)

وضاحت:

موسیٰ علیہ السلام جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں دوعورتیں بھی ملیں جو الگ کھڑی تھیں، موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا! تم اپنے جانوروں کو پانی کیوں نہیں پلاتی؟ تو انہوں نے کہا: جب یہ لوگ فارغ ہوں گے تبھی ہم جانوروں کو سیراب کریں گے کیوں کہ ہم ان سے اختلاط کو پسند نہیں کرتے۔

ایسی پاکیزہ طبع خواتین کا طرزِ عمل کیا ہمارے لیے درس عبرت نہیں ہوسکتا! ہمارا دین ہمیں بچپن ہی سے تقویٰ و پاکدامنی کی تربیت دیتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''مرو أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبعِ سنين، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين وفرقوا بينهم فى المضاجع'' [۱]

''اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب ان کی عمر سات سال ہو، جب وہ دس سال کے ہوجائیں تو نماز نہ پڑھنے پر انہیں مارو، اور ان کے بستر الگ کرو'' اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کمسن بچوں کے ایک ساتھ سونے کو بھی ناپسند کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ جب وہ دس سال کے ہوجائیں تو ان کے بستر الگ کردو۔

عہد نبوی کی پاک طینت خواتین کو بھی یہی حکم ہوا ''عليكن بحافات الطريق'' [۲] تم پر لازم ہے کہ راستے کے کناروں پر چلو۔

اندازہ کریں! جب نماز کی ادائیگی کے بعد گھر لوٹنے والی عورتوں کو مردوں کے راستے سے دور رہنے کی تلقین فرمائی تو عام طور پر مرد وعورت کا اختلاط کیسے درست ہوسکتا ہے....؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''إياكم والدخول على النساء'' [۳] تم

---

[۱] صحیح الجامع الصغیر للألبانی رحمہ اللہ: ۵۸۶۸، رواہ ابوداؤد فی سننہ: ۴۹۵ وصححہ الألبانی۔

[۲] رواہ ابوداؤد فی سننہ: ۵۲۷۲، وصححہ الألبانی علیہ الرحمۃ فی الصحیحۃ: ۸۵۶۔

[۳] رواہ البخاری فی صحیحہ: ۵۲۳۲۔

(غیرمحرم) عورتوں کے پاس جانے سے بچو، پوچھا گیا خاوند کے قریبی مثلا بھائی (دیور وغیرہ) کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ (دیور وغیرہ) تو موت ہیں۔

جب دیور (خاوند کا بھائی) اپنی بھابھی کے لیے موت ہے تو عام مرد وعورت کا آپسی اختلاط کتنا خطرناک ہوسکتا ہے۔

خواتین کا خوشبو لگا کر نکلنا:

خوشبو لگا کر زینت کے ساتھ عورت کا باہر نکلنا، بُرائی کی دعوت دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایما امرأة استعطرت فمرت بالقوم ليجدوا ريحها فهي زانية''۔[1]

جو عورت خوشبو لگا کر کسی مجمع سے گزرے تاکہ وہ اس کی خوشبو محسوس کریں تو وہ بدکار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بناؤ سنگار کو ظاہر کرتے ہوئے لوگوں کے درمیان سے گذرنا اور اپنی خوشبو سے ان کو اپنی جانب مائل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

نظروں کی حفاظت:

آج کل سڑکوں بازاروں اور میلوں میں جو حیاسوز مناظر ہمیں نظر آتے ہیں، یہ نسل نو کے بگاڑ کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں، جہاں تک ہو سکے نگاہیں نیچی رکھنی چاہیے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾ (النور:۳۰) اے نبی! مومنوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ (کیونکہ) جو کچھ وہ کرتے ہیں یقیناً اللہ اس سے باخبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نظر وستر کی حفاظت کرو، ان کا استعمال جائز طور پر ہی کرو، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے علی رضی اللہ عنہ! ''لا تتبع النظرة النظرة، فان لك الأولى وليست لك الآخرة'' اچانک نظر پڑ جائے تو اس کے بعد دوسری نظر نہ اٹھایا کرو، کیونکہ تمہارے لیے پہلی نظر تو معاف ہے، لیکن دوسری نظر نہیں۔ [2] .... کیونکہ غیرمحرم عورتوں کو دیکھنا شریعت کی نظر میں آنکھ کا زنا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: '' فزنى العينين النظر...'' [3] آنکھوں کا زنا (غیرمحرم عورت پر) نظر ڈالنا ہے۔ ''آنکھ کے بارے میں اہل علم کا کہنا ہے کہ گناہ کے زیادہ کام اسی جہت سے ہوتے ہیں۔ عورتوں کے متعلق ارشاد ہے: ﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور: ۳۱) ''مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو ظاہر ہے''۔

---

[1] رواہ ابوداؤد فی سننہ: ۴۱۷۳ وصححہ الألبانی علیہ الرحمۃ: ۴۱۷۳

[2] رواہ ابوداؤد فی سننہ: ۲۱۴۹، وصححہ الألبانی علیہ الرحمۃ

[3] رواہ مسلم فی صحیحہ: ۲۶۵۷

پردہ کرنا فرض ہے:

شریعت کا ایک ثابت شدہ حکم ہے اور پاکباز خواتین کا شیوہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاء حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾ (الاحزاب:۵۳) اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو (یہی حکم امت کے عام افراد کو بھی ہے، یہ پردہ کی حکمت وعلت ہے کہ اس سے مرد وعورت دونوں کے دل شرور وفتن سے محفوظ رہیں گے۔ پردے کی فرضیت کے متعلق نازل ہونے والی پہلی آیت: ''آیۃ الحجاب'' کے نام سے معروف ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاء الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ (الاحزاب:۵۹) اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں سے، بیٹیوں سے اور تمام مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکایا کریں، اس سے بہت جلد ان کی (پاکدامنی) جان لی جائے گی، پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا۔

اس آیت میں تمام خواتین اسلام کو ایک بڑی چادر کے ذریعے سر سے لے کر پاؤں تک مکمل پردہ کا حکم ہے جس میں چہرہ بھی شامل ہے۔ (ملاحظہ ہو ''پردہ'' علامہ مودودی کی)۔ تاکہ ان کی شرافت اور بھولا پن نمایاں ہو اور بدچلن عورتوں سے امتیاز رہے۔ معلوم ہوا کہ پردہ کرنا شرم وحیاء اور بے پردگی، بے حیائی کی علامت ہے اور عصمت وعفت کے تحفظ کے لیے بے حیائی، فحاشی کا سدباب ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''إذا لم تستحي فاصنع ما شئت'' [۱] جب حیا نہ ہو تو آدمی جو چاہے کرے۔ (اس کی اُسے پرواہ نہیں ہوتی)

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

إذا قل ماء الوجـه قـل حياؤه ولا خير فى وجه إذا قل ماؤه

جب چہرے کا پانی اتر جائے تو حیا ومروت مٹ جاتی ہے، اس چہرے (آدمی) سے بھلائی کی کوئی امید نہیں جس کا دیدہ مرجائے۔

صحابیات ہمہ وقت بے پردگی سے بچتی تھیں، خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ چادر نہ ہونے پر بھی بے پردہ نہ ہوئیں، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام خواتین کو عیدگاہ جانے کا حکم دیا تو بعض صحابیہ نے کہا: ''احدانا ليس لها جلباب؟ قال لتلبسها أختها من جلبابها'' [۲] اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیسے جائے؟.... (بے پردہ تو قطعی نہیں نکل سکتی، لہذا کیا کرے؟) نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے اس کی بہن چادر اڑھائے''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِن﴾ (النور:۳۱) ''اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں'' تاکہ سر، گردن، سینے اور چھاتی وغیرہ کا پردہ ہو جائے۔

---

[۱] رواہ ابوداؤد فی سنہ:۴۷۹۷، وصححہ الألبانی علیہ الرحمۃ

[۲] رواہ البخاری فی صحیحہ:۳۲۴ ومسلم ایضاً:۸۹۰

ہیجانی پیدا کرنے والی مہلک چیزیں:

ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والی ہر باتوں، فلموں اور لٹریچروں سے اجتناب عصمت وعفت کے تحفظ میں نہایت کارآمد ہے۔اس عہد میں رقص وموسیقی کی لعنت عام ہے۔اسی لیے الفضیل رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:''الغناء رقية الزنا'' [۱] ''گانا بدکاری کا منتر ہے''۔جولوگ بے حیائی کو عام کرتے یا اس کا ذریعہ بنتے ہیں وہ گنہگار اور عذاب وغضب الٰہی کے حقدار ہیں، ارشاد ہے:﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ (النور:۱۹) جو لوگ یہ آرزو رکھتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیل جائے تو ان کے لیے یقیناً دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔

نکاح اور تحفظ عصمت وعفت:

عصمت وعفت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ اور جنسی خواہشات کی تسکین کا بہترین حل نکاح ہے۔کسی مومن کے دل میں جنسی خواہش پیدا ہوجائے تو وہ اپنی بیوی کے ذریعہ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تعریف کرتا ہے:﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ. إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ﴾ (المومنون:۵-۶)''(ان مومنوں نے کامیابی حاصل کرلی) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، ہاں! مگر بیویوں کے ساتھ خواہشات پوری کرتے ہیں''۔

شادی شوہر وبیوی کی پاکدامنی کا ذریعہ ہے۔ہماری شریعت نکاح کرنے اور کرانے پر بڑا زور دیتی ہے، سورۃ النور ۳۲ میں اس کی تاکید وترغیب ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا:''يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباء ة فليتزوج، فإنه أغض للبصر و أحصن للفرج، و من لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء'' [۲] اے جوانو! تم میں جو شادی کرسکتا ہے کرلے، کیونکہ اس سے نگاہ وشرمگاہ محفوظ رہتی ہے، لیکن جو نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزہ رکھے، روزہ آدمی کا جوش کم کرتا ہے''۔

گویا عصمت وعفت کی حفاظت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ روزہ رکھا جائے، روزہ آدمی کے لیے (رسوائی وبرائی سے) ڈھال بن جاتا ہے اور اس کی آبرو محفوظ رہتی ہے۔اس سے جسم وقویٰ ہر اعتبار سے قابو میں رہتے ہیں، یہی ضبط وقابو روزہ کی اصل روح ہے، یہ ایک مشق ہے جس سے مسلمانوں کو اپنے اوپر ضبط اور کنٹرول رکھنے کی عادت پڑتی ہے۔

غض بصر، حفاظت ستر اور زینت کے چھپانے (حجاب) پر اگر مکمل عمل کیا جائے تو بدکاری اور آبروریزی کا خاتمہ ممکن ہے، جن علاقوں میں آج بھی پردہ اور حیا کا یہ چلن باقی ہے وہاں زنا، بے حیائی اور بداخلاقی بے حد کم ہے، لیکن جن ملکوں میں پردہ پر پابندی عائد کردی گئی ہے، وہاں بے حیائی ایک وبا کی طرح پھیل چکی ہے۔یورپ وامریکہ کے حالات اس پر شاہد ہیں۔

☆☆☆

---

[۱] حقیقۃ السنۃ والبدعۃ: جلال الدین السیوطی (السماع والرقص والوجد تسقط المروءۃ) ۱/۱۰۲

[۲] رواہ البخاری فی صحیحہ: ۵۰۶۶

عبادات

نماز باجماعت کے فوائد

تحریر: الشیخ ابوعبداللہ مسند بن محسن القحطانی ترجمہ: محبوب عالم سمیع اللہ مدنی

باجماعت نماز کی ادائیگی کا سب سے پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کو دیئے گئے حکم کی تعمیل ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ وَارْكَعُواْ مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ ترجمہ: اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (سورہ بقرۃ:۴۳)

ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: (یعنی مومنوں کے سب سے بہترین اعمال میں ان کا ساتھ دو، اور ان بہترین اعمال میں سب سے خاص اور کامل عمل نماز ہے، بہت سے علماء نے نماز باجماعت کے واجب ہونے پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے) (دیکھئے: تفسیر ابن کثیر ۱/۹۰ وتفسیر ابن سعدی ۱/۴۴ وتفسیر القرطبی ۱/ ۳۴۸، اور کتاب الصلاۃ مولفہ: ابن قیم، ص:۱۱۳)

ایک تنبیہ:

ابن قیمؒ نے ''کتاب الصلاۃ'' (ص:۱۱۴) میں فرمایا: اگر اس پر اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ نماز باجماعت کے وجوب پر آیت مذکورہ سے آپ کا استدلال کرنا، اللہ کے فرمان: ﴿يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (ترجمہ: اے مریم تو اپنے رب کی اطاعت کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر)۔ (سورہ آل عمران:۴۳) کے بموجب باطل ہو جاتا ہے کیونکہ عورت پر نماز باجماعت میں حاضری واجب نہیں ہے۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ آیت مذکورہ میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ جماعت کے وجوب کا حکم ہر عورت کو شامل ہے بلکہ صرف مریم علیہا السلام کو خصوصیت کے ساتھ اس بات کا حکم دیا گیا تھا، برخلاف ارشاد ربانی ﴿ وارکعوا مع الراکعین﴾ کے، اور مریم علیہا السلام کی بہت سی خصوصیتیں ایسی تھیں جو ان کے علاوہ دوسری عورتوں کے لیے نہ تھیں، لہذا چونکہ ان کی ماں نے انہیں بطور نذر اللہ اور اس کی بندگی نیز لزوم مسجد کے لیے آزاد (وقف) کر رکھا تھا اور وہ خود کبھی مسجد سے جدا بھی نہیں ہوتی تھیں بنابریں انہیں حکم دیا گیا کہ اہل مسجد کے ساتھ ہی نمازوں کی ادائیگی فرمایا کریں۔

باجماعت نماز ادا کرنا اسلام کا شعار:

نماز باجماعت اسلام کا شعار اور مسلمانوں کا سب سے عظیم مظہر ہے۔ علماء کرام کا کہنا ہے: اگر کسی شہر کے پورے لوگ باجماعت نماز کی ادائیگی ترک کر دیں تو ان سے قتال (جہاد) کیا جائے گا اور اگر کسی ایک محلّہ والے اسے ترک کریں تو انہیں

جماعت قائم کرنے پر زبردستی مجبور کیا جائے گا۔(المجموع شرح مہذب ۴/۱۸۲،کویتی فقہی انسائیکلوپیڈیا ۲۷/۱۶۵)

اللہ کے گھروں کی آبادکاری اور ایمان کی گواہی:

نماز باجماعت اللہ تعالیٰ کے گھروں کو آباد کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اگر نماز باجماعت نہ ہوتی تو مسجدیں ویران اور معطل ہوجاتیں۔

اسی طرح سے مسجدوں کو آباد کرنے والوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے ایمان، اور اس بات کی شہادت دی ہے کہ وہ ایسے لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حق وصواب کے پالینے کی توفیق دی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّهِ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلاَّ اللّهَ فَعَسَى أُوْلَـئِكَ أَن يَكُونُواْ مِنَ الْمُهْتَدِينَ﴾ (ترجمہ: اللہ کی مسجدوں کی رونق وآبادی تو ان کے حصے میں ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، نمازوں کے پابند ہوں، زکاۃ دیتے ہوں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں، توقع ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں)۔ (سورہ توبہ: ۱۸، دیکھئے: تفسیر ابن کثیر ۲/۳۷۶ والقرطبی ۸/۹۰ والطبری ۶/۳۳۵)

نماز باجماعت ادا کرنے والوں کا تزکیہ اور ان کے لیے اجر عظیم:

بے شک نماز باجماعت ادا کرنے والے مساجد کے اندر اللہ کا ذکر اور اس کی تسبیح کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مدح وستائش فرمائی ہے اور ان اصحاب ذکر وتسبیح کو رجال کے وصف سے متصف فرمایا ہے نیز ان کا تزکیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو تجارت یا خرید وفروخت اللہ کے ذکر، نماز کے قائم کرنے، زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل بے پرواہ نہیں کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے ایمان اور خوف خدا کی شہادت دی ہے، پھر باری تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ ان لوگوں کا شمار ایسے لوگوں میں ہے جن کی نیکیاں قبول کی جاتی ہیں اور ان کی خطاؤں سے درگذر کیا جاتا ہے، ساتھ ہی ان کے اوپر اللہ کا بے بدل فضل وانعام الگ سے ہوگا۔(دیکھئے: تفسیر ابن کثیر ۳/۳۲۳ اور تفسیر قرطبی ۱۲/۲۶۴)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ، رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاء الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ، لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاء بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (ترجمہ: ان گھروں میں جن کے بلند کرنے، اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہاں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے نیز زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہوجائیں گی، تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے، بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ مزید عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے شمار

روزیاں دیتا ہے)۔(سورۃ نور:۳۶-۳۸)

اللہ اور اس کے رسول نے جس عمل کو اہمیت دی اس کو اہمیت دینا:

نماز باجماعت ادا کرنا نہایت عظیم الشان، بڑی اہمیت کی حامل عبادت ہے بایں طور کہ اس کے التزام کا حکم صرف عام حالات میں ہی نہیں دیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے حالت خوف، محاذ جنگ اور میدان قتال میں بھی اس کا حکم فرمایا اور اس کی نہایت تاکید فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلاَةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُواْ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُواْ فَلْيَكُونُواْ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّواْ فَلْيُصَلُّواْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُواْ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً وَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَى أَن تَضَعُواْ أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُواْ حِذْرَكُمْ إِنَّ اللّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَاباً مُّهِيناً﴾ (سورۃ نساء:۱۰۲) (جب تم ان میں ہو اور ان کے لیے نماز کھڑی کرو تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑی ہو، پھر یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر تمہارے پیچھے آجائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آجائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لیے رہے.....)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے نماز باجماعت کی بڑی تاکید فرمائی، اس کا حکم فرمایا اور سفر وحضر میں اس کے حریص رہے، حتی کہ اپنے مرض الموت میں بھی اس کی تاکید فرمائی اور بغیر کسی عذر شرعی کے کبھی بھی اسے ترک کرنے کی رخصت نہیں فرمائی۔

ایک نابینا صحابی عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ ترک جماعت کے سلسلے میں رخصت طلب کرنے کے لیے نبی کرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور فرمایا کہ میرا گھر مسجد سے بہت دور ہے، کوئی رہنمائی کرنے والا بھی نہیں، نیز راستے میں موذی جانور و درندے بھی پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سے اعذار پیش کیے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، صحابی نے عرض کیا ہاں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر تو تم جواب دو، یعنی نماز باجماعت کے لیے مسجد میں حاضر ہو، اور ایک روایت میں ہے، میں اس کے لیے رخصت نہیں پاتا ہوں۔(مختصر صحیح مسلم:۳۲۱، اور دوسری روایت سنن ابوداؤد:۵۱۶)

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر، کہ جاں کنی کے عالم میں انھوں نے مؤذن کی آواز سنی تو اپنے پاس بیٹھے لوگوں سے فرمایا: میرا ہاتھ پکڑو یعنی مجھے مسجد لے چلو ان سے کہا گیا کہ آپ بیمار ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اللہ کے داعی کی آواز سنوں اور اس پر لبیک نہ کہوں، چنانچہ لوگ ان کا ہاتھ تھام کر مسجد لے گئے یہاں تک کہ وہ نماز مغرب میں امام کے ساتھ شریک ہوئے اور ایک ہی رکعت مکمل کر سکے تھے کہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ (سیر اعلام النبلاء ۵/۲۱۹)

(جاری)

☆☆☆

منکرات

گناہوں کی خطرناکی

تحریر: علی بن عبدالعزیز الراجحی ترجمہ: عبدالغفار سلفی/بنارس

فرد اور معاشرے کے لیے گناہ اس اعتبار سے بے حد خطرناک ہیں کہ یہ اللہ سے دور کرتے ہیں، اس کی ناراضگی اور جہنم کے قریب کردیتے ہیں۔ بندہ جس قدر گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اسی تناسب سے وہ اللہ کی نصرت وموالات سے دور ہوجاتا ہے۔ اسی لیے بہت سارے ایسے نصوص وارد ہیں جو گناہوں سے خبردار کرتے ہیں، اس کے انجام سے آگاہ کرتے ہیں اور سابقہ امتوں کو گناہوں کے سبب جو مصیبتیں پہنچی ان کو بیان کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا: ﴿فإن تولوا فاعلم أنما يريد الله أن يصيبهم ببعض ذنوبهم وإن كثيرا من الناس لفاسقون﴾ (مائدہ:۴۹) اگر یہ لوگ اعراض کریں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کو ان کے بعض گناہوں کا مزہ چکھائے اور لوگوں میں بہت سارے فاسق ہیں۔ نیز اللہ نے فرمایا: ﴿أو لم يهد للذين يرثون الأرض من بعد أهلها أن لو نشاء أصبناهم بذنوبهم﴾ (الأعراف:۱۵۵) کیا ان لوگوں پر واضح نہیں ہوا جو زمین میں (پہلے) بسنے والوں (کی ہلاکت) کے بعد اس کے وارث ہوئے کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں مصیبتوں میں مبتلا کردیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے: "اجتنبوا السبع الموبقات ....." (۱) ''سات ہلاک کردینے والے گناہوں سے بچو''۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے گناہوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بات اس سے زیادہ بلاغت کی حامل ہے کہ آپ گناہوں کے ارتکاب سے منع کرتے۔ اس لیے کہ کسی چیز سے بچنے کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اس گناہ کو بھی چھوڑ دیا جائے اور ان چیزوں کو بھی چھوڑ دیا جائے جو اس گناہ تک لے جائیں۔ پھر آپ ﷺ نے خبر دی کہ یہ گناہ ان لوگوں کے لیے باعث ہلاکت ہیں جو ان میں واقع ہوجائیں۔

گناہوں کی دو قسمیں ہیں: کبائر اور صغائر۔ اس تقسیم کے بہت ساری دلائل ہیں، ایک دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿إن تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم﴾ (النساء:۳۱) اگر تم لوگ ان بڑے بڑے گناہوں سے بچوگے جن سے تمہیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے (بقیہ) گناہوں کو مٹادیں گے۔ اور اللہ کا یہ فرمان بھی: ﴿الذين يجتنبون كبائر الاثم والفواحش الا اللمم، إن ربك واسع المغفرة، هو أعلم بكم إذ أنشأكم من

(۱) بخاری:۲۷۶۶، مسلم:۸۹۔

الأرض وإذ أنتم أجنة في بطون أمهاتكم فلا تزكوا أنفسكم هو أعلم بمن اتقى﴾ (النجم:۳۲) جولوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں سوائے چھوٹے گناہوں کے، بیشک تمہارا رب وسیع مغفرت والا ہے، وہ تم کو خوب جانتا ہے، جب اس نے تم (آدم کو) زمین سے نکالا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔ لہذا اپنے نفوس کا تزکیہ مت کرو، اسے خوب پتہ ہے کہ کون متقی ہے؟

اور رسول ﷺ کا یہ فرمان بھی: "الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة كفارة لما بينهن ما لم تغش الكبائر" (۱) ''پنج وقتہ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں جب کہ تم کبائر کا ارتکاب نہ کرو''۔

پہلی قسم: کبائر:

جہاں تک پہلی قسم یعنی کبائر کا سوال ہے تو بہت ساری ایسی دلائل وارد ہیں جن میں صراحت کے ساتھ کچھ گناہوں کو کبائر کہا گیا ہے، جیسے اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، اللہ کی حرام کردہ جان کو قتل کرنا، جادو، جھوٹی گواہی وغیرہ۔ جن گناہوں کے بارے میں کوئی خاص دلیل وارد نہیں ہے کہ وہ کبیرہ گناہ ہیں، ان کے بارے میں علماء نے اجتہاد کرکے ایک ضابطہ بنایا ہے جس سے کبیرہ گناہ کو پہچانا جاسکتا ہے۔ کبیرہ کی تعریف کرتے ہوئے علماء کہتے ہیں کہ ہر وہ گناہ جس کے سخت حرام ہونے کی کوئی دلیل آئی ہو، یا تو اس پر لعنت کی گئی ہو، یا غضب کا ذکر ہو، یا عذاب یا جہنم کی وعید آئی ہو یا اس پر دنیا میں کوئی حد وغیرہ مقرر ہو۔

دوسری قسم: صغائر:

صغیرہ اس گناہ کو کہتے ہیں جس کے اوپر کبیرہ کی تعریف فٹ نہ بیٹھتی ہو، مثال کے طور پر اذان کے بعد بلاضرورت مسجد سے نکل جانا، بلاعذر شادی کی دعوت قبول نہ کرنا، سلام کا جواب نہ دینا، چھینکنے والے کے ''الحمدللہ'' کا جواب نہ دینا وغیرہ۔

مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے اور اس کے رسول نے منع کیا ہے۔ اس میں صغائر اور کبائر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا: "ما نهيتكم عنه فاجتنبوه" (۲) ''جس سے میں نے تم کو منع کردیا ہے اس سے بچو''۔ گناہ کو چھوڑنا دراصل بندے پر اللہ کے حق کی تعظیم کا تقاضا ہے اور جس چیز سے اللہ نے اور اس کے رسول نے منع کردیا اس کی خطرناکی کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اسی لیے بلال بن سعد ؒ تابعی کہتے ہیں: یہ مت دیکھو کہ گناہ چھوٹا ہے، یہ دیکھو کہ تم نافرمانی کس کی کررہے ہو؟ ایک خاص نص میں یہ تنبیہ بھی آئی ہے کہ صغائر کو معمولی نہ سمجھا جائے، آپ

(۱) مسلم: ۲۳۳۔

(۲) بخاری: ۷۲۸۸، مسلم: ۱۳۳۷۔

ﷺ کا فرمان ہے: "إياكم ومحقرات الذنوب، إنما مثل محقرات الذنوب كمثل قوم نزلوا بطن واد فجاء ذا بعود وجاء ذا بعود حتى حملوا ما انضجوا به خبزهم وإن محقرات الذنوب متى يؤخذ بها صاحبها تهلكه" (۲) ''حقیر سمجھے جانے والے گناہوں سے بچو! ایسے گناہوں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو کسی وادی میں اترے، ایک آدمی لکڑی لے کر آیا، پھر دوسرا لکڑی لے کر آیا، اس طرح ان کے پاس اتنی لکڑیاں ہوگئیں کہ وہ اپنی روٹی پکالیں۔ حقیر سمجھے جانے والے گناہوں کی جب پکڑ ہوگی تو ان کا ارتکاب کرنے والا ہلاک ہوجائے گا''۔

متعدد اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے صغیرہ گناہ کبیرہ میں تبدیل ہوجاتا ہے، جیسے صغیرہ گناہ پر استمرار اور مداومت کرنا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "لا كبيرة مع استغفار ولا صغيرة مع اصرار" (۱) ''استغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ نہیں ہے اور اصرار کے ساتھ کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہے''۔ اسی طرح گناہ کرکے خوش ہونا اور اس پر فخر کرنا، رسول ﷺ کا فرمان ہے: "كل أمتي معافى الا المجاهرين وإن من المجاهرة أن يعمل الرجل بالليل عملا ثم يصبح وقد ستره الله فيقول: يا فلان قد عملت البارحة كذا وكذا وقد بات يستره ربه ويصبح يكشف ستر الله عنه" (۲) ''میری پوری امت کی معافی ہوسکتی ہے سوائے علی الاعلان گناہ کرنے والوں کے، علی الاعلان گناہ کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی رات میں کوئی گناہ کرے پھر صبح کو جب کہ اللہ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا، وہ یہ کہتا پھرے کہ اے فلاں! میں نے کل رات ایسا ایسا کام کیا، حالانکہ رات بھر اس کے رب نے اس پر پردہ ڈالے رکھا، لیکن صبح کو اس نے اللہ کے پردہ کو ہٹادیا''۔

اسی طرح صغیرہ گناہ کبیرہ گناہ میں اس وقت بھی تبدیل ہوجاتا ہے جب اس کا صدور ان لوگوں سے ہو جن کی لوگ اقتدا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اپنے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کے گناہ کا بوجھ پڑجاتا ہے۔

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق دے۔

☆☆☆

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۴/۱۵۰، سیر أعلام النبلاء: ۵/۹۱، ترجمۃ بلال بن سعد۔

(۲) احمد: ۵/۳۳۱، ابن حجر نے اس کی سند کو فتح الباری میں حدیث نمبر ۶۰۶۹ کی تشریح کرتے ہوئے حسن قرار دیا۔

(۳) اس کو امام طبری نے سورہ نساء: ۳۱ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ یہ مرفوعا بھی مروی ہے، مگر وہ صحیح نہیں ہے۔ کشف الخفاء: ۲/۲۶۴۔

فکرآخرت

موت کی ہولناکیاں

(۲-۲) ابوالبیان رفعت سلفی راڈپی کرناٹک

۴-لمبی سے لمبی زندگی بھی موت کو ہرا نہیں سکتی:

اگر کسی شخص کی زندگی زیادہ لمبی ہوجائے تو بعض لوگ جہالت کی بنا پر اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگتے ہیں کیا دادا جان! آپ کی موت کا ٹکٹ غائب ہوگیا؟ یا فرشتے نے دھوکے سے کسی اور کو دے دیا؟ جبکہ اس طرح کی باتیں کرنا سراسر گناہ ہے کیونکہ گذشتہ امتیوں کی عمریں ہزار ہزار سال کی ہوا کرتی تھیں پھر بھی انہیں موت نہیں چھوڑتی تھی، خود نوح علیہ السلام کی عمر تقریباً ایک ہزار سال کی تھی، اللہ کا فرمان ہے ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَاماً فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ (14) فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾"۔اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ اُن میں پچاس برس کم ہزار برس رہے پھر ان کو طوفان (کے عذاب) نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو اہل عالم کیلئے نشانی بنادیا۔[سورۃ عنکبوت:۱۵،۱۴]

یہودی آرزو کرتے تھے کہ کاش انہیں بھی ہزار سال کی زندگی عطا کردی جاتی تا کہ عذاب جہنم سے بچے رہیں، جیسا کہ اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُواْ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ وَاللّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ بلکہ اُن کو تم اور لوگوں سے کہیں زیادہ زندگی کے حریص دیکھو گے یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی۔ان میں سے ہر ایک یہی خواہش کرتا ہے کہ کاش وہ ہزار برس جیتا رہے مگر اتنی لمبی عمر اُس کو مل بھی جائے تو اُسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی اور جو کام یہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ رہا ہے۔(سورۃ البقرۃ:۹۶)

☆موسیٰ علیہ السلام کو ہتھیلی کے نیچے آنے والے ایک بیل کے ہر بال کے بدلے ایک سال کی زندگی دینے پیشکش کی گئی مگر انہوں جواب دیا کہ آخر جب مرنا ہی ہے تو پھر اتنی لمبی زندگی سے کیا فائدہ؟۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب ملک الموت کو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا، وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے ایک طمانچہ رسید کیا (جس سے اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی) فرشتہ نے اپنے رب کے پاس جا کر عرض کیا تُو نے مجھے ایک ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ درست کردی اور فرمایا موسیٰ کے پاس دوبارہ جا کر کہو کہ وہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھیں تو جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے ہر بال کے بدلے انہیں ایک سال کی زندگی دی جائے گی، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے پروردگار! پھر کیا ہوگا؟ اللہ نے فرمایا پھر موت آئے گی، موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو پھر ابھی آجائے۔[متفق علیہ]

جب بھی موت آئے گی ہم کو لوٹ جانا ہے کیا پتہ کہ کب آئے، کس زمیں کے خانے میں؟

۵-موت کا کوئی علاج نہیں:

اگر موت کا کوئی علاج ہوتا تو دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اور اطباء ابھی تک زندہ رہتے، اللہ تعالیٰ نے تمام اہل کائنات کو چیلنج دیا ہے کہ اگر تم اللہ کو اپنا خالق نہیں مانتے تو ذرا اپنے کسی محبوب کو موت سے بچا کر تو دکھاؤ، ارشاد ربانی ہے ﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ. وَ اَنْتُمْ حِيْنَذِ تَنْظُرُوْنَ. وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ. فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ. تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ بھلا جب روح گلے میں آ پہنچتی ہے۔اور تم اس وقت (کی حالت کو) دیکھا کرتے ہو۔اور ہم اس (مرنے والے) سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم کو نظر نہیں آتے۔پس اگر تم کسی کے بس میں نہیں ہو۔تو اگر سچے ہو تو روح کو پھیر کیوں نہیں لیتے؟ [سورۃ الواقعۃ:۸۳تا۸۷]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مذکورہ آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''ایک شخص اپنے آخری وقت میں ہے، نزع کا عالم ہے روح پرواز کر رہی ہے، تم سب پاس بیٹھے دیکھ رہے ہو، کوئی کچھ نہیں کر سکتا' ہمارے فرشتے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تم سے بھی زیادہ قریب اس مرنے والے سے ہیں۔اگر سچ مچ تم لوگ کسی کے زیر فرمان نہیں ہو اور اگر یہ حق ہے کہ تم دوبارہ جینے اور میدان قیامت میں حاضر ہونے کے قائل نہیں ہو، اور اس میں تم حق پر ہو، اگر تمہیں حشر ونشر کا یقین نہیں، اگر تم عذاب نہیں دیئے جاؤ گے وغیرہ تو ہم کہتے ہیں اس روح کو جانے ہی کیوں دیتے ہو؟ اگر تمہارے بس میں ہے تو حلق تک پہونچی ہوئی روح کو واپس اس کی اصلی جگہ پہنچا دو، پس یہ یاد رکھو جیسے اس روح کو اس جسم میں ڈالنے پر ہم قادر تھے اور تم نے دیکھ لیا، ایسے ہی اسے نکالنے پر قادر تھے اور اسے بھی تم نے بہ چشم خود دیکھ لیا۔یقین مانو اسی طرح ہم دوبارہ اس روح کو اس جسم میں ڈال کر نئی زندگی دینے پر بھی قادر ہیں۔[تفسیر ابن کثیر اردو ج۵ ص:۲۵۳]

﴿كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ .وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ.وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ .وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ.اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ﴾ ہرگز نہیں جب جان ہنسلی تک پہونچ جائے گی اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا؟۔اور بیمار کو یقین ہو جائے گا کہ جدائی کی گھڑی آ گئی، اور پنڈلی پنڈلی سے چپکے جائے گی۔اس دن آپ کے رب کی طرف روانگی ہوگی۔[سورۃ القیامۃ:۲۶تا۳۰]

ڈاکٹر محمد لقمان السّلفی حفظہ اللہ نے مذکورہ آیات کی تفسیر یوں فرمائی ہے ''جب تمہاری روح حلق کی ہڈی تک پہونچ جائے گی، اور تمہارے خویش واقارب تمہارا حال زار دیکھ کر بے بسی میں پکار اٹھیں گے کہ کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کے ذریعہ اس کی بیماری اور کرب واذیت کو دور کر دے، اور تمہیں یقین ہو جائے گا، کہ اب تم اپنے اہل وعیال اور خویش واقارب کو چھوڑ کر دنیا سے کوچ کر جاؤ گے، اس دن تم آخرت کی طرف سدھار جاؤ گے، تمہارا جسم مٹی میں دفن کر دیا جائے گا، اور تمہاری روح تمہارے رب کے پاس پہنچا دی جائے گی، تاکہ قیامت کے دن وہ تمہیں زندہ کر کے تمہارے انجام کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔[تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ص:۱۶۷۴]

☆ اگر اللہ کے علاوہ کائنات کی کوئی ہستی اپنے کسی محبوب کی روح کو قبض ہونے سے بچا سکتی، یا اسے ملک الموت

سے واپس چھین سکتی تو وہ پیغمبر کائنات محمد عربی ﷺ کی ذات گرامی ہوتی ،مگر محمد رسول اللہ ﷺ بھی اپنے لخت جگر ونور نظر ابراہیمؓ کو موت سے نہیں بچا سکے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کو میرے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام میں نے اپنے باپ ابراہیمؑ کے نام پر (ابراہیم) رکھا، پھر آپ نے اس لڑکے کو ام سیف کے حوالے کر دیا جو لوہار کی عورت تھی اور لوہار کا نام ابوسیف تھا' ایک روز آپ ﷺ ابوسیف کے پاس چلے میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہولیا، جس وقت ہم ابو سیف کے گھر پہونچے وہ اپنی دھونکنی پھونک رہا تھا اور پورا گھر دُھویں سے بھرا ہوا تھا، میں دوڑ کر آپ کے آگے گیا، اور میں نے کہا اے ابوسیف ذرا ٹھہر جا! جب رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو وہ ٹھہر گیا، آپ نے بچہ (ابراہیمؑ) کو بلایا اور اسے اپنے (سینے) سے چمٹا لیا اور جو اللہ کو منظور تھا وہ فرمایا، انس نے کہا میں نے اس بچہ کو دیکھا وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا دم چھوڑ رہا تھا، یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمایا: آنکھ اشکبار اور دل غمگین ہے لیکن ہم کو زبان سے صرف وہی کہنا ہے جس سے ہمارا رب راضی ہو جائے، اللہ کی قسم اے ابراہیمؑ! ہم تیری جدائی سے یقیناً رنجیدہ ہیں۔[صحیح مسلم:۶۱۶۷]

۶-انسانی زندگی کی تمام لذتوں کو ختم کرنے کے لئے موت کا ایک کڑوا جام ہی کافی ہے:

موت کی تکلیف برحق ہے کیونکہ خود محمد رسول اللہ ﷺ نے موت کو 'ھاذم اللذات' یعنی تمام لذتوں کو ختم کر دینے والی قرار دیا ہے، یہ اور بات ہے کہ کافروں کی بہ نسبت اہل ایمان کی موت میں بہت کم تکلیف ہوتی ہے، ارشاد ربانی ہے ﴿وَالنَّازِعَاتِ غَرْقاً .وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطاً﴾ "ان (فرشتوں) کی قسم جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں۔اور ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں"۔[سورۃ النازعات:۲،۱]

علامہ قرطبی رحمہ اللہ مذکورہ آیتوں کی تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں کہ: "والنازعات" سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کافروں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں، یہ قول علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: کافروں کی روحوں کو ملک الموت ان کے جسموں سے، ان کے بالوں کی جڑوں سے، ان کے ناخنوں کے نیچے سے، اور ان کے پیروں کے تلوؤں سے کھینچ کر نکالتے ہیں جس طرح لوہے کی سیخ کو تر اُون میں ڈبو کر (سختی سے) کھینچ لیا جائے، یعنی ملک الموت کافروں کی روحوں کو پہلے ان کے جسموں میں خوب اچھی طرح داخل کرتا ہے پھر سختی سے کھینچ لیتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ: کافر موت کے وقت ایسا محسوس کرتا ہے گویا کہ وہ ڈوب رہا ہے۔[تفسیر قرطبی ج۱۹ص:۱۹۰]

امام فراءؒ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ: ﴿والناشطات نشطا﴾ سے مومنوں کی روحوں کو قبض کرنے والے فرشتے مراد ہیں جو بندہء مومن کی روح کو کھول کر چھڑا لیتے ہیں جس طرح اونٹ کو چھوڑتے وقت اس کی رسی آسانی سے کھول دی جاتی ہے۔

☆ موت کی تکلیف سے اگر کوئی بچ سکتا تو وہ امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ ہوتے ،مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی موت

کی سختیوں سے دو چار ہونا پڑا۔ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ (کی وفات کے وقت) آپ کے سامنے ایک بڑا پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ اس برتن میں اپنا ہاتھ ڈالتے جاتے اور پھر اس کو اپنے چہرے پر ملتے جاتے اور فرماتے جاتے "لا اله الا الله اِنّ للموت سکراتٍ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں بلا شبہ موت میں تکلیف ہے۔ پھر آپ ﷺ اپنا ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے "فی الرَّفِیقِ الاعلیٰ" یہاں تک کہ آپ کی روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ کا ہاتھ جھک گیا۔[صحیح بخاری:۶۵۱۰]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب موت کی شدت ہوئی تو آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے، سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کہنے لگیں "ہائے ابا جان کو کتنی بے چینی ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج کے بعد تمہارے ابا جان پر پھر کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔[صحیح بخاری:۴۴۶۲]

۷-موت انسانی اعمال کے صحیفوں کے لپیٹ لئے جانے کا نام ہے:

ارشاد ربانی ہے: ﴿حَتَّى إِذَا جَاء أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ☆ لَعَلِّيَ أَعْمَلُ صَالِحاً فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ "(یہ لوگ اسی غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کرلوں، ہرگز ایسا نہیں ہوتا، یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے، ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک"۔[سورۃ المومنون/۱۰۰،۹۹]

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ﴿كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ یہ ایسی بات ہے کہ جو ہر کافر نزع (جانکنی) کے وقت کہتا ہے۔ دوسرا معنی ہے کہ یہ دنیا میں (واپس) بھی بھیج دیا جائے تو ان کا یہ قول قول ہی رہے گا' عمل صالح کی توفیق انہیں پھر بھی نصیب نہیں ہوگی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ﴾ (الأنعام/۲۷) "اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا"۔[تفسیر احسن البیان، ص۸۲۵]

علاء بن زیادؒ فرماتے ہیں "تم یوں سمجھ لو کہ میری موت آچکی تھی لیکن میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے چند روز کی مہلت دے دی جائے تاکہ میں نیکیاں کرلوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے مہلت دے دی ہے تو اب مجھے چاہیئے کہ دل کھول کر نیکیاں کر لوں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کافر کی اس امید کو یاد رکھو اور زندگی کی گھڑیاں اطاعت اللہ میں بسر کرو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جب کافر اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے، اور اپنا جہنم کا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے، تو کہتا ہے میرے رب مجھے لوٹا دے میں توبہ کرلوں گا اور نیک اعمال کرتا رہوں گا۔ جواب ملتا ہے کہ جتنی عمر تجھے دی گئی تھی تو ختم کر چکا۔ پھر اس کی قبر اس پر سمٹ جاتی ہے اور تنگ ہو جاتی ہے، اور سانپ بچھو چمٹ جاتے ہیں۔[تفسیر ابن کثیر اردو ج۳ ص۴۶۹]

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بندے

کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک اسے غرغرہ شروع نہ ہو (یعنی عالم نزع اس پر طاری نہ ہو)۔[صحیح الجامع:۱۹۰۳]

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ فرماتے ہیں ’’غرغرہ کا مطلب روح کا جسم سے نکل کر گلے تک آجانا ہے یعنی نزع (جانکنی) کا وقت۔[ریاض الصالحین اردو ج ا ص ۴۹]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے‘ سوائے تین چیزوں کے (کہ ان کا فیض اسے پہنچتا رہتا ہے) ۱۔صدقہ جاریہ ۲۔یا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جارہا ہو ۳۔یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔[صحیح مسلم ۴۳۱۰]

۸-موت کے بعد انسان کے ساتھ اس کی قبر میں صرف اس کا اچھا یا برا عمل ہی جاتا ہے:

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَى مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ ’’اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آگئے جس طرح ہم نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آگئے اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں۔واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہوگیا اور وہ تمہارا دعویٰ تم سے گیا گزرا ہوا‘‘۔[سورۃ الانعام ۹۴]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں میت کے پیچھے جاتی ہیں‘ اس کے گھر والے، اس کا مال (غلام نوکر چاکر) اور اس کا عمل۔پس دو چیزیں واپس آجاتی ہیں اور ایک (اس کے ساتھ) باقی رہ جاتی ہے۔اس کے گھر والے اور اس کا مال (غلام وغیرہ) واپس آجاتے ہیں اور اس کا عمل (اس کے ساتھ) باقی رہ جاتا ہے۔[متفق علیہ]

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث میں اس امر کی ترغیب ہے کہ انسان کو زیادہ سے زیادہ ایسے کام کرنے چاہئیں جو اس کے ساتھ رہیں اور قبر میں بھی انسان کا ساتھ نہ چھوڑیں، جہاں سب اس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور قبر کی تنہائیوں میں وہ اکیلا رہ جاتا ہے، اور وہ ہیں اعمال صالحہ جو قبر میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کی مشکلات اور تنہائیوں میں اس کا سہارا اور نجات کا ذریعہ بنتے ہیں۔[ریاض الصالحین۔اردو ج ا ص ۱۳۵]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کہتا ہے کہ میرے پاس اتنا مال ہے، میرے پاس اتنا مال ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے مال میں سے اس کو فائدہ پہنچانے والا تین مال ہے: ۱۔وہ مال جو اس نے کھایا اور ختم کردیا ۲۔یا وہ لباس جو اس نے زیب تن کیا اور اسے بوسیدہ کردیا ۳۔یا جو اس نے صدقہ دیا اور (آخرت کے لئے) ذخیرہ کرلیا، اور ان کے علاوہ جو مال ہے وہ لوگوں (ورثاء وغیرہ) کے لئے چھوڑ کر جانے والا ہے۔[صحیح مسلم:۷۶۱۱]

دولت حُسنِ عمل سے جس کو کچھ رغبت نہیں   چھوڑ کر دنیا کو صابر ہاتھ ملتا جائے گا

آخر میں دعا گوں ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو کثرت سے موت کو یاد کرنے اور اسکی تیاری کرنے کی توفیق ارزانی نصیب فرمائے، آمین۔

☆☆☆

مروجہ بدعات

حلقہ بنا کر ذکر کرنا ممنوع یا مشروع؟

ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی

اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالی کا ذکر ایک مشروع اور ممدوح عمل ہے، لیکن یہ اس وقت غیر مشروع اور ممنوع ہوجاتا ہے جب اس کے لیے غیر مشروع طریقہ اپنایا جائے، مثلا: مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنا اور بآواز بلند جھوم جھوم کر ورد کرنا، جولوگ مسجد میں حلقہ بنا کر ذکر واذکار کی مشروعیت کے قائل ہیں، وہ ایک ضعیف اور کمزور روایت سے استدلال کرتے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہے:

"ان رسول الله ﷺ مر بمجلسين في مسجده، فقال: كلاهما على خير، وأحدهما أفضل من صاحبه، أما هؤلاء فيدعون الله ويرغبون إليه، فإن شاء أعطاهم، وإن شاء منعهم، وأما هؤلاء فيتعلمون الفقه والعلم، ويعلمون الجاهل، فهم أفضل، وإنما بعثت معلما، قال فجلس معهم" نبی کریم ﷺ کا گذر مسجد میں موجود دو مجلسوں سے ہوا، فرمایا: دونوں خیر پر ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔ ایک مجلس کے لوگ اللہ سے لَو لگاتے ہوئے دعا کر رہے ہیں، اگر اللہ تعالی چاہے گا تو دے گا ورنہ نہ دے گا۔ اور دوسری مجلس کے لوگ علم وفقہ سیکھ رہے ہیں، اور جاہل کو سکھلا رہے ہیں، تو یہ لوگ ان سے اچھے ہیں اور میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر نبی ﷺ ان ہی کے ساتھ بیٹھ گئے۔

مذکورہ ضعیف حدیث میں كلاهما على خير کا لفظ ہے، جس میں وہ جماعت بھی شامل ہے جو بیٹھ کر حلقہ بنا کر اللہ کو پکار رہی تھی، لیکن سند کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے اور اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

علامہ البانی نے سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ میں اس حدیث کو نقل کیا اور کہا: "ضعیف ہے"۔ دارمی نے (حدیث نمبر: ۳۶۱) میں اس کو عبداللہ بن یزید کے طریق سے نقل کیا ہے، اور وہ ابوعبدالرحمٰن المقری ہے، اور ابن وہب نے "مسند" (رقم الحدیث: ۱۱۵) میں اور عبداللہ بن مبارک نے الزھد والرقائق (رقم الحدیث: ۱۰۸۱) میں اور ان سے حارث نے اپنی مسند (ص ۱۶ ،من زوائدہ) میں اور طیالسی نے (ص: ۲۹۸، رقم الحدیث: ۲۲۵۱) میں ذکر کیا ہے۔ ان سب نے عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن رافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے، اور یہ سند ضعیف ہے۔ اس لیے کہ عبدالرحمٰن بن زیاد اور ابن رافع دونوں ضعیف راوی ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب (ص: ۳۴۰) میں کہا ہے۔

ابن ماجہ نے (رقم الحدیث: ۲۲۹) میں داود بن الزبرقان عن بکر بن خنیس عن عبدالرحمٰن بن زیاد عن عبداللہ بن یزید عن عبداللہ بن عمرو کے طریق سے روایت کی ہے۔ مؤخر الذکر سند تو پہلی سند سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ اس لیے کہ عبداللہ بن

یزید کو چھوڑ کر تمام کے تمام راوی ضعیف ہیں اور انہوں نے ثقات کی مخالفت کی ہیں، چنانچہ ان ضعفاء نے یا ان میں سے کسی نے عبداللہ بن یزید المعافری الحلمی جو کہ ثقہ راوی ہیں، ان کو عبدالرحمٰن بن رافع کی جگہ کر دیا ہے جو کہ ضعیف ہیں اور بوصیری نے ''الزوائد'' (ق ۲/۱۶) میں کہا: ''اس میں داود، بکر اور عبدالرحمٰن ہیں، اور وہ ضعیف ہیں۔ (سلسلۃ الأ حادیث الضعیفۃ: ۱/۶۷)

عراقی نے ''تخریج الاحیاء'' میں کہا: ''اس کی سند ضعیف ہے''۔

علامہ البانی خلاصے کے طور پر آگے رقم طراز ہیں: ''مذکورہ حدیث کو اس نوعیت کے ذکر واذکار کی مشروعیت پر حجت بنانا مشہور ہو گیا ہے، جیسا کہ بعض مسلک کے لوگ کرتے ہیں، مثلاً حلقہ بنا کر اور چیخ چیخ کر ورد کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دائیں بائیں اور آگے پیچھے جھومتے ہیں، جو کہ متقدم فقہاء کے نزدیک متفقہ طور پر مشروع نہیں ہے، اور حدیث تو صحیح ہے ہی نہیں، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ لہذا ان کا گمان باطل ہوا، زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر کے لیے اجتماع ثابت ہے (لیکن حلقہ وغیرہ بنا کر اور مختلف صورتیں اپنا کر نہیں) جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں صحیح احادیث وارد ہیں، جو کہ اس حدیث سے بے نیاز کرتی ہیں، ان صحیح احادیث میں صرف مطلق اجتماع ثابت ہے اور اس کے لیے حلقہ اور رقص جیسی صورت اختیار کرنا بدعت وضلالت ہے۔ شریعت کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ (سلسلۃ الأ حادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی: ۱/۶۶-۶۷، رقم الحدیث: ۱۱)

☆☆☆

(بقیہ درس حدیث)

یہ نماز مسجد میں بھی ادا کی جاسکتی ہے اور گھر میں بھی، جماعت کے ساتھ ادا کرنا تنہا ادا کرنے سے افضل ہے، گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ بھی جماعت بنائی جاسکتی ہے، یہ نماز بلا وقفہ بھی ادا کی جاسکتی ہے اور درمیان میں کسی حاجت کے لیے یا آرام کرنے کے لیے ہی سہی وقفہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

اگر کسی کی یہ نماز قضا ہو جائے، رات کو بیدار نہ ہو سکے یا طبیعت گراں ہوں تو بطور قضا اسے دن میں بھی مع وتر ادا کر سکتا ہے۔

کتنا خوش نصیب وہ انسان ہے جس کی راتیں رکوع وسجود سے آباد ہوں، اس کی پلکوں پر نیند کے خمار کے بجائے دل میں عبادت کا سرور ہو، امید وبیم کی ملی جلی کیفیت ہو، آیات کی اثر پذیری کا یہ عالم کہ کبھی سامنے جنت کے نظارے اور اس کی لازوال نعمتیں تو کبھی جہنم کی چیخ وپکار، حمیم وصدید اور غساق وغسلین کی کراہٹ .....رب کی قربت کا احساس اور بلا واسطہ مناجات اس عبادت کو اور لذت آمیز وسرور آفریں بنا دیتا ہے۔

جو شخص اس عبادت کو اپنا معمول بنالے تو اس کا پورا سراپا منور ہو جاتا ہے اور یہی نور اس کے لیے نور بصیرت اور سامان ہدایت بنتا ہے، اسے گناہوں سے بچاتا اور رب کی خصوصی عنایت وحفاظت کا مستحق بنا دیتا ہے، جاڑے کی ان راتوں کا سکوت ذکر وتلاوت سے توڑیے، اس ٹھنڈک کو بستر ولحاف کی گرمی سے دور کرنے کے بجائے ایمان کی حرارت سے بردا وسلاما بنا لیجئے اور بندگی کا پیکر بن کر رب کے حضور میں کھڑے ہو جایئے، دل سے نکلنے والی دعائیں سیدھے عرش تک پہنچیں گی اور سند قبولیت سے سرفراز ہو کر واپس لوٹیں گی۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔☆☆

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ کے وفد کی خادم الحرمین الشریفین کی ضیافت میں سفر حج کی سعادت

خادم حرمین شریفین شاہ فہد رحمہ اللہ نے مخصوص لوگوں کے لیے شاہی مہمان کی حیثیت سے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے مقصد سے ایک سلسلہ شروع کیا تھا جو آج تک بحسن وخوبی جاری ہے۔اور اپنے اندر بے شمار خوبیاں سمیٹے ہوئے ہے۔اس پروگرام کے تحت دنیا کے مختلف خطے کے جامعات، اسلامی جمعیات ومراکز کے ذمہ داران اور بااثر شخصیات کو فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے ہر سال دعوت دی جاتی ہے، اوران کی پرخلوص میزبانی کی جاتی ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس کے ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود سلفی اور رکن مجلس عاملہ جامعہ سلفیہ مولانا احسن جمیل مدنی حفظہم اللہ پر مشتمل ایک وفد سعادۃ الاستاذ سعود بن محمد الساطی سفیر خادم حرمین شریفین نئی دہلی اور فضیلۃ الشیخ احمد بن علی الرومی، المستشار الدینی بسفارۃ المملکۃ المحروسۃ نئی دہلی کی جانب سے جاری کردہ دعوت نامہ کے مطابق فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے ارض مقدسہ حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے، اور خادم حرمین شریفین کی جانب سے مہیا کی گئی سہولیات سے فیض یاب ہوتے ہوئے حج کے تمام مناسک کو بحسن وخوبی سکون ووقار کے ساتھ انجام دیا۔

اس دوران بڑی شخصیات سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔جن میں معالی الاستاذ الدکتور صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ اور معالی الشیخ الدکتور عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز السدیس حفظہما اللہ سرفہرست ہیں۔

نیز یہ وفد مدینہ منورہ کی زیارت کے دوران جامعہ اسلامیہ گیا اور بڑے ذمہ داران اور اعلی عہدیداران سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، جن میں وکیل الجامعۃ فضیلۃ الدکتور محمود قدح اور عمید القبول والتسجیل فضیلۃ الدکتور عبداللہ بن مساعد الزھرانی قابل ذکر ہیں۔اس دوران جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود سلفی نے جامعہ اسلامیہ کے مدیر دکتور عبدالرحمٰن السند سے ٹیلی فون پر بات چیت کی اور دونوں جامعات یعنی جامعہ سلفیہ اور جامعہ اسلامیہ کے درمیان علمی وثقافتی رابطہ سے متعلق سیر حاصل گفتگو کی، چونکہ شیخ کو بیرون ملک کے لئے سفر پر روانہ ہونا تھا اس لیے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔

واضح رہے کہ اس پروگرام کی ابتداء ۱۴۱۷ھ میں شاہ فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہد میں ہوئی۔ہر سال ۲۴۰۰ حجاج کرام حج کے فرائض انجام دیتے ہیں جن میں سے ۱۰۰۰ فلسطین سے اور ۱۴۰۰ دوسرے ممالک سے ہوتے ہیں۔اب تک اس سے ۲۲ ہزار سے بھی زیادہ حجاج مستفید ہوچکے ہیں۔خادم حرمین نے اس کے لیے باقاعدہ ۱۴ کمیٹیاں تشکیل دے رکھی ہیں۔

اللہ وحدہ لاشریک سے دعا ہے کہ وہ حکومت سعودی عرب کی قدم قدم پر مدد فرمائے اور اس ملک توحید کو سدا اپنی حفاظت میں رکھے اور ترقی وکامرانی کی راہ ان کے لیے مزید ہموار کرے۔(آمین)

(دفتر نظامت)

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی

مسلمانان عالم افتراق وانتشار سے باز رہیں: مفتی اعظم سعودی عرب

مکہ مکرمہ سے براہ راست نشر ہونے والے ہفتہ واری پروگرام میں مملکت توحید، سعودیہ عربیہ کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الشیخ حفظہ اللہ نے پورے عالم اسلام سے اپیل کی ہے کہ موجودہ تلاطم خیز حالات میں آپسی اتحاد واتفاق قائم رکھیں۔

نئے ہجری سال کے آغاز میں علماء کونسل کے صدر اور مفتی اعظم نے دنیا بھر کے مسلمانوں سے دردمندانہ اپیل کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت پوری ملت اسلامیہ دشوار ترین حالات سے گذر رہی ہے۔ درانحالیکہ ہر چہار جانب سے ہمارے دشمن اپنے سیاسی مفادات کے حصول کے لیے مسلمانوں کی صفوں میں افتراق وانتشار برپا کرنے کے لیے مسلسل کوشاں ہیں۔ ایسے حالات میں ہمیں چوکنا اور بیدار رہنا چاہیے اور قرآن وحدیث پر عمل آوری کو اپنا وطیرۂ زندگی بنالینا چاہیے۔

(اخبار العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ: ۱۴/۱۰)

سعودی عرب کی حکومت وعوام سلفی مسلک پر گامزن: امام وخطیب حرم شیخ عبدالرحمٰن السدیس

مسجد حرام مکۃ المکرّمہ کے امام وخطیب شیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس حفظہ اللہ نے سال کے آخری خطبہ جمعہ میں حجاج کرام، سعودی عرب کے باشندوں اور یہاں مقیم غیر ملکیوں کی موجودگی میں منہج سلف کی اہمیت وخصوصیت کو بیان کیا۔ آپ نے مسجد حرام میں خطبہ دیتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا کہ ارض مقدسہ کا ہر فرد اعتدال اور سلفی منہج پر قائم ہے۔ انہوں نے بہت واضح الفاظ میں کہا کہ دراصل سلفی مسلک ہی قرآن وسنت اور سلف صالحین کا ترجمان ہے اور یہی امت کو افراط وتفریط، تشدد ودہشت گردی اور انتشار وافتراق سے نجات دلاکر امن عالم کا پیامبر خالص اسلام سے وابستہ کرسکتا ہے۔

فرانس کے نوجوان سیاست داں نے اسلام قبول کیا:

پیرس: فرانس میں دائیں بازو کی فرنٹ نیشنل پارٹی کو ایک شدید جھٹکا لگا جب اس کے ایک اہم کونسلر نے اسلام قبول کرلیا۔ میک سنس ٹبی نامی مذکورہ نومسلم نے اپنے قبول اسلام کی ویڈیو تیار کرکے اپنی پارٹی کے لیڈروں کے پاس بھیجا۔ اوران سے بھی اسی طرح اسلام قبول کرنے کی درخواست کی۔ مزید انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کے چندرائے دہندگان ان کے اسلام قبول کرنے سے مایوس ہوسکتے ہیں، تاہم انہیں وہ براہ راست بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام تمام انسانیت کو متحد کرنے کا اپنے اندر مشن رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ اس سے قبل ایک کیتھولک عیسائی تھے۔ بائبل میں تضادات کی انتہا ہے، لیکن جب انہوں نے قرآن مجید کا بغور مطالعہ کیا تو یہ پایا کہ مذہب اسلام زیادہ کشادگی اور وسعت کا باعث ہے۔ (سنڈے انڈین: ۱۴/۱۰)

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: موزوں (چرمی وغیر چرمی) پر مسح، مدت مسح، کیفیت مسح کی مدلل وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ کی متواتر احادیث سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر کے دوران ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، آپ نے پوچھا: "أمعك ماء؟ قلت نعم، فنزل عن راحلته، فمشى حتى توارى في سواد الليل، ثم جاء فأفرغت عليه من الإداوة، فغسل وجهه، وعليه جبة من صوف، فلم يستطع أن يخرج ذراعيه منها حتى أخرجهما من أسفل الجبة، فغسل ذراعيه، ومسح برأسه، ثم أهويت لأنزع خفيه، فقال: دعهما فإني أدخلتهما طاهرتين ومسح عليهما" (صحیح بخاری: اللباس، باب لبس جبۃ الصوف فی الغزو، ح:۵۷۹۹، وصحیح مسلم، الطھارۃ، باب امسح علی الناصیۃ والعمامۃ، حدیث:۲۷۴ واللفظ لہ)

کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، تو آپ ﷺ اپنی سواری سے اترے اور چلنے لگے، حتی کہ رات کے اندھرے میں چھپ گئے، پھر واپس آئے تو میں نے آپ (کے ہاتھوں) پر لوٹے سے پانی انڈیلا، پھر آپ نے اپنا چہرہ دھویا، آپ ایک اونی جبہ پہنے ہوئے تھے، لہذا آپ اس کی تنگ آستینوں میں سے اپنے ہاتھ نہ نکال سکے تو جبے کے نیچے سے نکالے، پھر انہیں دھویا اور اپنے سر کا مسح کیا، پھر میں جھکا تا کہ آپ کے موزے اتاروں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''انہیں رہنے دو، میں انہیں (اس وقت) پہنا تھا جبکہ پاؤں پاک تھے (میں باوضو تھا)، اور آپ نے ان پر مسح کیا''۔

عن همام بن الحارث قال: رأيت جرير بن عبد الله بال، ثم توضأ ومسح على خفيه، ثم قام فصلى، فسئل فقال: رأيت النبي صنع مثل هذا قال إبراهيم: فكان يعجبهم لأن جريرا كان من آخر مَن أسلم" (صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی الخفاف ح ۳۸۷، صحیح مسلم: الطہارۃ، باب امسح علی الخفین ح ۲۷۲)

یعنی حضرت ہمام بن حارث ؒ سے روایت ہے کہ میں نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پیشاب سے فارغ ہوئے تو وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، پھر اٹھے اور نماز پڑھنے لگے، ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے، آپ نے اسی طرح کیا تھا۔ (راوی حدیث) ابراہیم کہتے ہیں کہ انہیں (عبداللہ بن مسعود ؓ کے شاگردوں کو) یہ حدیث بہت پسند تھی، اس لیے کہ جریر بن عبداللہ ؓ آخری دور میں مسلمان ہوئے تھے۔

حضرت ابو موسی اشعری ؓ سے روایت ہے کہ "أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين والنعلين ....." (صحیح سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ وسنتھا، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین والنعلین، ح ۵۶۰) یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے وضو کیا تو جرابوں پر مع جوتوں کے مسح فرمایا۔

اسی طرح ایک روایت حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے مروی ہے کہ "أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين والنعلين" (صحیح سنن ابی داؤد، باب المسح علی الجوربین، ح:۱۵۹) یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے وضو کیا تو جرابوں پر مع جوتوں کے مسح فرمایا۔

یہ واضح رہے کہ اگر کسی کا جوتا پورا بھرا ہوا (فل) ہو، جیسا کہ عموماً فوجیوں کا جوتا ہوتا ہے تو ایسی صورت میں جوتا اتار کر موزوں پر مسح کرنا ہوگا۔

اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ کے بہت سارے اصحاب کا صحیح سند سے جورب پر مسح کرنا ثابت ہے، چنانچہ امام ابوداؤد ؒ فرماتے ہیں کہ "مسح على الجوربين علي بن أبي طالب، وابن مسعود، والبراء بن عازب، وأنس بن مالك، وأبوأمامة، وسهل بن سعد، وعمرو بن حريث، روى ذلك عن عمر بن الخطاب وابن عباس" (صحیح سنن ابی داؤد، باب المسح علی الجوربین)

حضرت ازرق بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ بے وضو ہوئے تو وضو کرتے ہوئے ہاتھ منہ دھوئے پھر اون کی جرابوں پر مسح کیا، ہم نے ان سے عرض کیا کہ ان پر مسح کرنا جائز ہے؟ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں! یہ بھی موزے ہیں لیکن اون کے ہیں۔ (المحلی لابن حزم:۲/۸۵، الکنی والأسماء للدولابی:۱/۱۸)

حضرت انس ؓ صحابی رسول اور خالص عربی الاصل ہیں، آپ خف کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وہ صرف چمڑے کا ہی نہیں ہوتا، بلکہ ہر اس چیز کو شامل ہے جو قدم کو چھپالے، آپ کی یہ وضاحت معنی ومفہوم کے اعتبار سے نہایت دقیق ہے، کیونکہ ان کے نزدیک لفظ جوربین لغوی معنی کے لحاظ سے خفین کے مدلول میں داخل ہیں، اور خفین پر مسح میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہذا جرابوں پر مسح میں کسی اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔

بہر حال حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (المحلی لابن حزم:۲/۸۴، ۸۵، ۸۶ وغیرہ)

اوپر مذکور دلائل سے معلوم ہوا کہ خف اور جورب پر مسح کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اس پر نبی کریم ﷺ نے، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی عمل کیا، اور یہی موقف علامہ ابن قدامہ (المغنی:۱/۳۷۴)، علامہ ابن القیم (تہذیب السنن:۱/۱۲۳)، شیخ ابن باز (فتاوی ابن باز مترجم:۱/۴۶)، شیخ محمد بن صالح العثیمین (فتاوی شیخ محمد صالح العثیمین)، شیخ ابومحمد حافظ عبدالستار حماد (فتاوی اصحاب الحدیث)، شیخ محمد صبحی بن حسن حلاق (فقہ کتاب وسنت متعدد صفحات) وغیرہم کا بھی ہے۔

مدت مسح: مسح کی مدت مقیم کے لیے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن تین رات ہے۔ چنانچہ حضرت شریح بن ہانی ؒ کہتے ہیں کہ: "أتيت عائشة أسألها عن المسح على الخفين فقالت: عليك بابن أبي طالب فسله، فإنه كان يسافر مع رسول الله ﷺ، فسألناه فقال: جعل رسول الله ﷺ ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر ويوما وليلة للمقيم" (صحیح مسلم: الطہارۃ: باب التوقیت فی المسح علی الخفین ح:۲۷۶) یعنی میں ام المومنین عائشہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے موزوں پر مسح کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ ابن

ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے اس سلسلہ میں معلوم کرو، کیونکہ وہ (علی رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لیے تین دن تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات متعین فرمایا تھا۔

مدت مسح کے سلسلہ میں نمازوں کی تعداد کا اعتبار نہیں بلکہ وقت کا اعتبار ہوگا۔ یعنی مقیم کے لیے چوبیس گھنٹے اور مسافر کے لیے تین دن تین رات یعنی بہتر گھنٹے ہوتے ہیں۔

مدت مسح کی ابتداء اس وقت ہوگی جب پہلی بار حدث کے بعد مسح کیا جائے گا۔ اس کی ابتداء نہ تو موزے پہننے کے وقت سے ہوگی اور نہ پہننے کے بعد بے وضو ہونے کے وقت سے، اس لیے شریعت میں مسح کا لفظ استعمال ہوا ہے اور مسح کا وجود اسی وقت ثابت ہوگا جب عملی طور پر مسح کا وجود ہوگا۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب پہلی بار مسح شروع کیا جائے گا، جب مسح کی ابتداء کے بعد چوبیس گھنٹے پورے ہو جائیں گے تو مقیم کے لیے مسح کی مدت ختم ہو جائے گی اور جب بہتر گھنٹے پورے ہو جائیں گے تو مسافر کے لیے مسح کی مدت ختم ہو جائے گی۔

مثلا: اگر کسی شخص نے نماز مغرب کے لیے وضو کر کے موزہ پہن لیا، اسی وضوء سے عشاء کی نماز پڑھ لی اور نماز پڑھنے کے بعد موزہ پہن کر سو گیا پھر نماز فجر (۵:۱۰) کے لیے وضوء کیا اور موزہ پر مسح کیا تو یہ شخص اگلے دن فجر (۵:۱۰) تک موزے پر مسح کر سکتا ہے، اور یہ آخری وضوء جو مسح کے ساتھ کیا گیا وہ جب تک باقی رہے گا اسی وضوء سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ان باتوں کی تفصیلی معلومات کے لیے الشرح الممتع: ۱/۲۲۲-۲۲۸، للعلامہ محمد صالح العثیمین کا مطالعہ مفید ہوگا۔

کیفیت مسح: حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ "لو كان الدين بالرأي لكان أسفل الخف أولى بالمسح من أعلاه، وقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح على ظاهر خفيه" (صحیح سنن ابی داؤد، باب کیف المسح ح:۱۶۲، دار قطنی: ۱/۱۹۹، بیہقی: ۱/۲۹۲۔ حافظ ابن حجر ؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ (تلخیص الحبیر: ۱/۲۸۲)

ترجمہ: اگر دین رائے اور قیاس پر مبنی ہوتا تو پھر موزوں کی نچلی سطح پر مسح اوپر کی بہ نسبت زیادہ قرین قیاس تھا۔ حالانکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو موزے کے بالائی حصے پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

موزے کے اوپری حصے کے کتنے حصے پر مسح کیا جائے، اس سلسلہ میں فقہاء عظام اور علماء کرام کے مابین قدرے اختلاف ہے، تاہم اس میں راجح قول اور موقف یہ ہے کہ: موزوں پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیاں پانی سے تر کر کے انہیں پاؤں کی انگلیوں پر رکھا جائے، پھر انہیں پاؤں کے اوپر والے حصے پر پنڈلی تک پھیرا جائے۔ دونوں پیر پر ایک ایک مرتبہ مسح کیا جائے، اور مسح کرتے وقت ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رہیں۔ اگر ایک ہی ہاتھ سے مسح کر رہے ہیں تو دونوں مرتبہ الگ الگ پانی سے انگلیاں تر کریں۔ اور الگ الگ ہاتھوں سے یعنی دائیں پاؤں پر دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں پر بائیں ہاتھ سے مسح کر رہے ہیں تو ایسا کرنا بھی درست ہے۔

الجواب صحیح
مولانا علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
کتبہ: ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس